اوّل ایڈیشن: ماہِ ربیع الاول 1443ھ/اکتوبر 2021

متعدد نظریاتی، فقہی اور اصلاحی مضامین کا مجموعہ

علمی اور اصلاحی مقالات

(جلد: 2)

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

پیش لفظ

بندہ نے اپنے ’’سلسلہ اصلاحِ اَغلاط‘‘ کے تحت تحریر کیے گئے سینکڑوں تحریرات میں سے پندرہ پندرہ مقالات ومضامین منتخب کرکے یکجا عام کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، زیرِ نظر کتاب اس سلسلے کی دوسری جلد ہے جو کہ پہلی جلد کی طرح پندرہ مقالات ومضامین کا منتخب مجموعہ ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی مزید جلدیں بھی عام کی جائیں گی ان شاءاللہ۔

حضراتِ اہلِ علم سے درخواست ہے کہ اس کتاب میں کسی قسم کی کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں، بندہ ممنون رہے گا۔ جزاکم اللہ خیرًا

اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرماکر بندہ کے لیے، بندہ کے والدین، اہل وعیال، خاندان، اساتذہ کرام، حضرات اکابر، مشایخ کرام، احباب اور پوری امتِ مسلمہ کے لیے صدقہ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔

بندہ مبین الرحمٰن
محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
ماہِ ربیع الاول 1443/ اکتوبر 2021
03362579499

اجمالی فہرست

مقالہ نمبر 1: نمازوں کے بعد دُعا کے آحکام وآداب------------------4
مقالہ نمبر 2: اچھے خواب کی شرعی حیثیت اور ایک غلط فہمی کا اِزالہ----------16
مقالہ نمبر 3: مرد اور عورت کے سجدے میں فرق کا ثبوت---------------22
مقالہ نمبر 4: کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کا حکم اور طریقہ ----------33
مقالہ نمبر 5: ٹینکی، حوض اور تالاب کی پاکی ناپاکی کا حکم --------------39
مقالہ نمبر 6: بچوں کو مسجد لانے اور ان کی صف بنانے سے متعلق احکام--------50
مقالہ نمبر 7: میاں بیوی میں سے کسی ایک کے انتقال کے بعد دوسرا اُس کو غسل دے سکتا ہے؟---59
مقالہ نمبر 8: میت کو دفنانے کے بعد قبر پر اذان دینے کا حکم-------------68
مقالہ نمبر 9: مہر کی کم از کم مقدار اور اس کا موجودہ وزن------------------75
مقالہ نمبر 10: درخت لگائیے، ثواب کمائیے!-------------------------83
مقالہ نمبر 11: مسبوق کا امام کے ساتھ سجدہ سہو میں سلام پھیرنے کا حکم------92
مقالہ نمبر 12: نماز کے سلام میں نیّت کرنے کا تفصیلی حکم --------------96
مقالہ نمبر 13: نماز کی حالت میں مرد کے لیے ٹخنے چھپانے کا حکم ---------104
مقالہ نمبر 14: اُدھار اور قسطوں کے ذریعے کاروبار کے شرعی احکام -------115
مقالہ نمبر 15: نمازِ جنازہ میں سورتِ فاتحہ پڑھنے کا حکم-----------------130

مقالہ نمبر 1:

نمازوں

کے بعد دُعا کے آحکام و آداب

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

پیش لفظ

زیرِ نظر تحریر ''نمازوں کے بعد دُعا کے احکام وآداب'' کے مقاصد یہ ہیں:

- نمازوں کے بعد دعا سے متعلق حضرات فقہائے کرام اور حضرات اکابر کا موقف واضح ہو جائے۔
- نمازوں کے بعد دعا سے متعلق افراط و تفریط سے پاک ایک معتدل مسئلہ سامنے آجائے۔
- نمازوں کے بعد دعا شرعی حدود کے دائرے میں آجائے اور مروّجہ منکرات سے حفاظت ہو سکے۔
- اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہو جائے۔

اہلِ علم سے درخواست ہے کہ اس تحریر میں کسی قسم کی کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں، بندہ ممنون رہے گا۔ جزاکم اللہ خیرًا

اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرما کر بندہ کے لیے، بندہ کے والدین، اہل وعیال، خاندان، اساتذہ کرام، حضرات اکابر، احباب اور پوری امتِ مسلمہ کے لیے صدقہ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔

بندہ فقیر الی اللہ

مبین الرحمٰن

محلّہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

فہرست

- نماز کے بعد دُعا سے متعلق غیر معتدل صورتحال۔
- فرض نماز کے بعد دعا زیادہ قبول ہوتی ہے!
- فرض نماز کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت۔
- دُعا میں ہاتھ اُٹھانا دُعا کے آداب میں سے ہے۔
- مذکورہ بالا تفصیل سے ثابت ہونے والے امور۔
- کیا سلام پھیرنے کے بعد بھی مقتدی امام کا پابند ہوتا ہے؟
- کیا مقتدی دعا شروع اور ختم کرنے میں امام کی دعا کے پابند ہیں؟
- فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کی شرعی حیثیت اور حدود۔
- آہستہ آواز میں دعا کرنے کی فضیلت اور بلند آواز سے دعا کرنے کی حدود۔
- فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا یا رسمی کارروائی؟؟
- فرض نماز کے بعد اجتماعی دُعا سے متعلق ائمہ کرام سے گزارش۔
- فرض نماز کے بعد دعا سے متعلق ایک مشاہدہ۔
- جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد انفرادی دعا کا حکم۔
- سنتوں کے بعد دعا کا شرعی حکم۔
- عیدین کی نماز کے بعد دعا کا شرعی حکم۔
- تراویح کے بعد دُعا کا شرعی حکم۔

نماز کے بعد دُعا سے متعلق غیر معتدل صورتحال:

نماز کے بعد دعا مانگنے کی شرعی حیثیت سے واقفیت حاصل کرنا نہایت ہی اہم ہے کیوں کہ آجکل اس حوالے سے نہایت ہی افراط و تفریط پائی جاتی ہے:

- بعض لوگ سِرے سے فرض نماز کے بعد دعا کے قائل ہی نہیں۔
- بعض حضرات فرض نماز کے بعد دعا کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں۔
- بعض حضرات فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کو ضروری سمجھتے ہیں۔
- بعض حضرات امام کے ساتھ دعا کرنے کو اہم اور لازم سمجھتے ہیں۔
- بعض حضرات سنتوں کے بعد بھی اجتماعی دعا کو لازم سمجھتے ہیں۔

الغرض نمازوں کے بعد انفرادی اور اجتماعی دعا سے متعلق متعدد غیر شرعی نظریات اور طریقہ کار رائج ہیں جو کہ واضح طور پر راہِ اعتدال سے ہٹ کر ہیں، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ نمازوں کے بعد انفرادی یا اجتماعی دعا مانگنے سے متعلق شرعی حکم اور اس کی شرعی حدود سے واقفیت حاصل کی جائے۔

اس تمہید کے بعد نمازوں کے بعد انفرادی یا اجتماعی دعا سے متعلق شرعی حکم اور اس کی حدود بیان کی جاتی ہیں:

فرض نماز کے بعد دعا زیادہ قبول ہوتی ہے!

متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

(رسالہ استحباب الدعوات عقیب الصلوات، اعلاء السنن، کفایت المفتی، احسن الفتاویٰ، آپ کے مسائل اور ان کا حل)

- سنن الترمذی میں ہے:

٣٤٩٩- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الثَّقَفِيُّ المَرْوَزِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَن ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَابِطٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ: قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ: أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ؟ قَالَ: «جَوْفَ اللَّيْلِ الآخِرِ، وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ المَكْتُوبَاتِ».

فرض نماز کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت:

بہت سی احادیث میں حضور اکرم ﷺ سے فرض نماز کے بعد دعائیں مانگنا ثابت ہیں۔

(رسالۃ استحباب الدعوات عقیب الصلوات، اعلاء السنن، کفایت المفتی، احسن الفتاوی، آپ کے مسائل اوران کا حل)

دُعا میں ہاتھ اُٹھانا دُعا کے آداب میں سے ہے:

بہت سی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عام دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا دعا کے آداب میں سے ہے، البتہ ہاتھ اٹھائے بغیر دعا مانگنا ثابت بھی ہے اور درست بھی ہے، اس لیے دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کو لازم سمجھنا درست نہیں۔ یہی حکم نماز کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانے کا بھی ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے البتہ اس کو ضروری سمجھنا درست نہیں، البتہ یہ واضح رہے کہ متعدد اہلِ علم کے نزدیک فرض نماز کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا حضور اقدس ﷺ سے ثابت نہیں۔

(اعلاء السنن، مراقی الفلاح، البحر الرائق، فتاویٰ ہندیہ، احسن الفتاوی، رسالۃ استحباب الدعوات عقیب الصلوات)

مذکورہ بالا تفصیل سے ثابت ہونے والے امور:

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض نماز کے بعد دُعا مانگنا مستحب ہے، امام کے لیے بھی، مقتدی کے لیے بھی اور منفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والے کے لیے بھی، اس لیے احادیث میں دی گئی ترغیب کے پیشِ نظر مؤمن کو چاہیے کہ وہ فرض نماز کے بعد دعا مانگنے کا حریص بھی ہو اور یہ اس کے معمولات میں بھی شامل ہو، البتہ یہ یاد رہے کہ اس دعا کو شرعی حدود میں رکھنا چاہیے، شرعی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے اس کو لازم قرار دینا ہرگز درست نہیں، اس لیے جو شخص کسی وجہ سے دعا مانگے بغیر اٹھ کر جا رہا ہو اس کو ملامت کا نشانہ بنانا ہرگز درست نہیں۔

(رسالۃ استحباب الدعوات عقیب الصلوات، امداد الفتاویٰ، اعلاء السنن، احسن الفتاویٰ، فیض الباری، فتاویٰ محمودیہ، فقہی رسائل، آپ کے مسائل اوران کا حل)

کیا سلام پھیرنے کے بعد بھی مقتدی امام کا پابند ہوتا ہے؟

باجماعت نماز ادا کرتے وقت امام اور مقتدیوں کا باہمی ایک تعلق ہوتا ہے، اسی سے جماعت وجود میں آتی ہے لیکن فرض نماز کا سلام پھیرتے ہی امام اور مقتدی حضرات کا یہ تعلق ختم ہو جاتا ہے اور مقتدی کسی بھی معاملے میں امام کا پابند نہیں رہتا۔ اس لیے جو حضرات سلام کے بعد بھی مقتدیوں کو امام کے ساتھ دعا کرنے کا پابند بناتے ہیں یا دعا کو جماعت کی نماز کا حصہ قرار دیتے ہیں وہ شرعی اعتبار سے کھلی غلطی کا شکار ہیں۔

(مصنف عبد الرزاق حدیث: ۳۲۲۲، سنن البیہقی حدیث: ۲۹۶۴ مع اعلاء السنن، آپ کے مسائل اور ان کا حل، نماز کے بعد ذکر اور دعا کے فضائل واحکام)

کیا مقتدی دعا شروع اور ختم کرنے میں امام کی دعا کے پابند ہیں؟

بعض حضرات کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ امام کے ساتھ ہی دعا شروع کرنے اور امام ہی کے ساتھ ختم دعا کرنے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں حتی کہ ایسا نہ کرنے والوں کو ملامت کرتے ہیں، اسی طرح بعض حضرات امام کے ساتھ مل کر دعا کرنے ہی کو اصل دعا سمجھتے ہیں، اس کے مقابلے میں انفرادی دعا کو اتنی اہمیت دینے کو تیار نہیں ہوتے بلکہ بعض تو اس کو دعا ہی نہیں سمجھتے، یہ بھی واضح غلطی اور غیر شرعی بات ہے، اس میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ دعا کے لیے اجتماعیّت ضروری تصور کی جاتی ہے اور اس کو انتہائی اہمیت دی جاتی ہے، گویا کہ دعا کرنے میں امام کو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے مابین ایک ضروری واسطہ تصور کیا جاتا ہے، حالاں کہ دُعا میں ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں، اس لیے ان باتوں کو ضروری سمجھنا یا حد سے زیادہ اہمیت دینا شریعت کے خلاف ہے۔

(احکامِ دعا، نماز کے بعد ذکر اور دعا کے فضائل واحکام از مفتی محمد رضوان صاحب دام ظلہم)

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کی شرعی حیثیت اور حدود:

ما قبل میں بیان ہوا کہ فرض نماز کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے، امام کے لیے بھی اور مقتدی کے لیے بھی، اس لیے فرض نماز کے بعد جب امام اور مقتدی حضرات میں سے ہر ایک اپنے لیے انفرادی دعا کرے گا تو ظاہر

ہے کہ دیکھنے میں ایک اجتماعی صورت بن ہی جاتی ہے کیوں کہ ہر ایک کے دعا مانگنے کا وقت تقریباً ایک ہی ہوتا ہے، اور بنیادی طور پر دعا کے لیے یہ اجتماع ضمنی ہوا کرتا ہے نہ کہ حقیقی، کیوں کہ اصل اجتماع تو نماز کے لیے تھا، نماز سے فراغت کے بعد دعا کے لیے بھی بظاہر اجتماعی صورت بن جاتی ہے، اس اجتماع میں اگر امام کبھی کبھار مناسب آواز سے دعا کرا بھی لے تا کہ مقتدی دعا سیکھ لیں اور ان کے لیے ترغیب کا سامان ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ یہ اجتماع اپنی ذات میں مقصود نہیں اور نہ ہی یہ اجتماع دعا کے لیے ہوتا ہے، اس لیے اس ضمنی اجتماع کو بالکلیہ بدعت قرار دینا درست نہیں، البتہ فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کو لازم قرار دینا، اجتماعی دعا کو مقصود سمجھنا، اسی طرح جو لوگ دعا کیے بغیر کسی وجہ سے اٹھ کر چلے جاتے ہوں ان کو ملامت کرنا، ان کو برا سمجھنا بھی ہرگز درست نہیں بلکہ یہ بدعت اور ناجائز ہے، آجکل اس بارے میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے۔

(امداد المفتین، آپ کے مسائل اور ان کا حل، ملفوظاتِ فقیہ الامت مفتی اعظم ہند مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ، فقہی رسائل)

آہستہ آواز میں دعا کرنے کی فضیلت اور بلند آواز سے دعا کرنے کی حدود:

دعا میں افضل یہ ہے کہ آہستہ آواز سے ہو، اس لیے فرض نماز کے بعد بھی عام حالات میں آہستہ ہی دعا کرنی چاہیے البتہ اگر کبھی بلند آواز سے دعا کر لی تو یہ بھی جائز ہے تا کہ مقتدی دعا سیکھ لیں اور ان کے لیے ترغیب کا سامان ہو، لیکن یہ جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ اسی کو افضل قرار نہ دیا جائے اور نہ ہی اس کی وجہ سے کسی کی نماز اور عبادت میں خلل آئے۔ آجکل بعض مساجد میں ہر نماز کے بعد بلند آواز سے دعا مانگنے کا رواج عام ہو چکا ہے اور اس کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے بلکہ اس کو بعض جگہ لازم بھی سمجھا جانے لگا ہے حتی کہ جو دعا بلند آواز سے نہ کی جائے اس کو دعا شمار ہی نہیں کرتے؛ یہ تمام باتیں شریعت کے خلاف ہیں، حتی کہ اتنی بلند آواز سے دعا مانگنا کہ امام کے سلام کے بعد اپنی بقیہ نماز پوری کرنے والوں کی نماز میں خلل آئے؛ یہ بھی جائز نہیں۔

(معارف القرآن، احکامِ دعا، نماز کے بعد ذکر اور دعا کے فضائل واحکام)

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا یا رسمی کارروائی؟؟

یہ واضح رہے کہ فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کو محض رسم نہ بنایا جائے، آجکل متعدد مساجد میں کی جانے والی اجتماعی دعا پر اگر غور کیا جائے تو رسمی کارروائی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا کہ ہر فرض نماز کے بعد دعا کے نام پر چند مخصوص الفاظ دہرائے جاتے ہیں، اور مقتدی آمین آمین کہتے جاتے ہیں اور رسم پوری کر کے سب اٹھ جاتے ہیں، اگر انصاف کی نگاہوں سے دیکھا جائے تو اس کو دعا کہنا بھی مشکل نظر آتا ہے، دعا تو محض رٹنے یا پڑھنے کی چیز نہیں بلکہ مانگنے کی چیز ہے، بہر حال اس طرزِ عمل کی اصلاح واجب ہے۔
(معارف القرآن، نماز کے بعد ذکر اور دعا کے فضائل واحکام)

فرض نماز کے بعد اجتماعی دُعا سے متعلق ائمہ کرام سے گزارش:

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا سے متعلق ہماری مساجد میں جو صورتحال رائج ہے وہ سنجیدگی سے نظرثانی اور اصلاح کی محتاج ہے، اس میں جو بے اعتدالی دیکھنے میں آتی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ اگر ہم فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا سے متعلق فقہائے کرام اور حضرات اکابر دیوبند کا موقف مطالعہ کر لیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ اس معاملے میں کس قدر افراط و تفریط پائی جاتی ہے! ہم دعا جیسی عظیم عبادت میں بھی کتنے ہی منکرات اور غیر شرعی امور کا ارتکاب کر رہے ہوتے ہیں!
یہ دیکھیے جلیل القدر فقیہ مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ فرض نماز کے بعد دعا کی کوتاہیوں پر نہایت ہی دردِ دل سے تنبیہ فرما رہے ہیں، آیت مع تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

- سورۃ الاعراف آیت: 55:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔

ترجمہ:

تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو، یقیناوہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ان دونوں لفظوں میں دعا ذکر کے لیے دو اہم آداب کا بیان ہے: اول یہ کہ قبولیتِ دعا کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز وانکسار اور تذلّل کا اظہار کر کے دعا کرے، اس کے الفاظ بھی عجز وانکسار کے مناسب ہوں، لب ولہجہ بھی تواضع وانکسار کا ہو، ہیئت دعا مانگنے کی بھی ایسی ہی ہو، اس سے معلوم ہوا کہ آج کل عوام جس انداز سے دعا مانگتی ہیں اول تو اس کو دعا مانگنا ہی نہیں کہا جا سکتا، بلکہ پڑھنا کہنا چاہیے، کیوں کہ اکثر یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہم جو کلمات زبان سے بول رہے ہیں ان کا مطلب کیا ہے، جیسا کہ آج کل عام مساجد میں اماموں کا معمول ہو گیا ہے کہ کچھ عربی زبان کے کلماتِ دعائیہ انھیں یاد ہوتے ہیں، ختمِ نماز پر انھیں پڑھ دیتے ہیں، اکثر تو خود ان اماموں کو بھی ان کلمات کا مطلب و مفہوم معلوم نہیں ہوتا، اور اگر ان کو معلوم ہو تو کم از کم جاہل مقتدی تو اس سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں، وہ بے سمجھے بوجھے امام کے پڑھے ہوئے کلمات کے پیچھے آمین آمین کہتے ہیں، اس سارے تماشا کا حاصل چند کلمات کا پڑھنا ہوتا ہے، دعا مانگنے کی جو حقیقت ہے یہاں پائی ہی نہیں جاتی، یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحمت سے ان بے جان کلمات ہی کو قبول فرما کر قبولیتِ دعا کے آثار فرما دیں، مگر اپنی طرف سے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دعا پڑھی نہیں جاتی بلکہ مانگی جاتی ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ مانگنے کے ڈھنگ سے مانگا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنے کلمات کے معنی بھی معلوم ہوں اور سمجھ کر ہی کہہ رہا ہو تو اگر اس کے ساتھ عنوان اور لب ولہجہ اور ہیئتِ ظاہری تواضع وانکسار کی نہ ہو تو یہ دعا نِرا ایک مطالبہ رہ جاتا ہے، جس کا کسی بندے کو کوئی حق نہیں۔"

[آگے فرماتے ہیں:] "ہمارے زمانہ کے ائمہ مساجد کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرما دیں کہ قرآن وسنت کی اس تلقین اور بزرگانِ سلف کی ہدایت کو یکسر چھوڑ بیٹھے، ہر نماز کے بعد دعا کی ایک مصنوعی سی کارروائی ہوتی ہے، بلند آواز سے کچھ کلمات پڑھے جاتے ہیں جو آدابِ دعا کے خلاف ہونے کے علاوہ ان نمازیوں کی نماز میں بھی خلل انداز ہوتے ہیں جو مسبوق ہونے کی وجہ سے امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی باقی ماندہ نماز پوری کر رہے ہیں،

غلبۂ رسوم نے اس کی برائی اور مفاسد کو ان کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے، کسی خاص موقع پر خاص دعا پوری جماعت سے کرانا مقصود ہو ایسے موقع پر ایک آدمی کسی قدر آواز سے دعا کے الفاظ کہے اور دوسرے آمین کہیں اس کا مضائقہ نہیں، شرط یہ ہے کہ دوسروں کی نماز وعبادت میں خلل کا موجب نہ بنیں، اور ایسا کرنے کی عادت نہ ڈالیں کہ عوام یہ سمجھنے لگیں کہ دعا کرنے کا طریقہ یہی ہے جیسا کہ آج کل عام طور سے ہو رہا ہے۔"

(معارف القرآن)

اس لیے ہمیں چاہیے کہ سنجیدگی سے اس معاملے کو سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ یہ دعا ہر قسم کے افراط وتفریط، بدعات ورسومات اور منکرات سے پاک ہو کر سنت اور شریعت کے دائرے میں آجائے اور ہمیں اللہ کی رضامندی نصیب ہو جائے۔

فرض نماز کے بعد دعا سے متعلق ایک مشاہدہ:

فرض نماز کے بعد دعا سے متعلق بندہ نے اپنی مادرِ علمی جامعہ دار العلوم کراچی میں بارہا یہ مشاہدہ کیا ہے کہ فرض نماز کے بعد حضرت امام صاحب کچھ ذکر ومعمولات کے بعد نہایت ہی آہستہ آواز سے بلکہ چپکے چپکے دعا کرتے ہیں کہ گویا آواز بھی بمشکل سنائی دیتی ہے، گویا کہ اس دعا میں تمام تر شرعی حدود کی رعایت کی جاتی ہے، اس میں یقیناً بہت بڑا سبق ہے مساجد کے ائمہ کرام کے لیے!

جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد انفرادی دعا کا حکم:

جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں بہتر اور مناسب یہی ہے کہ یا تو پہلے سنتیں ادا کی جائیں پھر اس کے بعد دعا کی جائے، یا فرض کے بعد مختصر سی دعا کر کے سنت ادا کی جائیں پھر دل چاہے تو سنتوں کے بعد طویل دعا کر لی جائے۔

(اعلاء السنن، رد المحتار، البحر الرائق، فتاویٰ محمودیہ، کفایت المفتی، نماز کے بعد ذکر اور دعا کے فضائل واحکام)

سنتوں کے بعد دعا کا شرعی حکم:

بعض جگہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنے کا رواج ہے کہ سنتوں سے فراغت کے بعد امام اور مقتدی مل کر اجتماعی دعا کرتے ہیں بلکہ باقاعدہ اہتمام کرتے ہیں حتی کہ اس کو لازم بھی سمجھتے ہیں تو واضح رہے کہ یہ اجتماعی دعا قرآن و سنت اور تعاملِ امت سے کسی طور ثابت نہیں، اس لیے یہ بدعت ہے جس کا ترک کرنا ضروری ہے۔
(احکامِ دعا، اعلاء السنن، النفائس المرغوبۃ فی حکم الدعا بعد المکتوبۃ)

البتہ سنتوں کے بعد انفرادی دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں شرط یہ ہے کہ اس میں بھی شرعی حدود کی رعایت کی جائے۔

عیدین کی نماز کے بعد دعا کا شرعی حکم:

عیدین کی نماز کے بعد بھی دعا کرنا جائز بلکہ مستحب ہے، اس میں بھی ان تمام باتوں کی رعایت کی جائے گی جو فرض نماز کے بعد دعا کرنے سے متعلق اوپر بیان ہوئیں، اس لیے اس کو بھی شرعی حدود میں رکھنا چاہیے، اس کو ضروری سمجھنا اور دعا نہ کرنے والے کو ملامت کرنا ہرگز درست نہیں، البتہ عیدین میں دعا کرتے وقت یہ واضح رہے کہ بہتر اور مناسب یہ ہے کہ خطبے کی بجائے عید کی نماز کے بعد دعا کی جائے، اسی پر حضرات اکابر کا معمول چلا آرہا ہے۔ (امداد الفتاویٰ، امداد المفتین، امداد الاحکام، فتاویٰ دار العلوم دیوبند، فتاویٰ محمودیہ)

تراویح کے بعد دُعا کا شرعی حکم:

بیس رکعات تراویح مکمل ہو جانے کے بعد بھی دعا کرنا جائز بلکہ بعض کے نزدیک مستحب ہے کیوں کہ بیس رکعات پورے ہونے پر قرآن کریم کے ایک مقررہ حصے کی تلاوت پوری ہو جاتی ہے اور تلاوت کے بعد کی گھڑی قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے، اس لیے دعا کرنا بہتر ہے، البتہ اس میں بھی ان تمام باتوں کی رعایت کی جائے گی جو فرض نماز کے بعد دعا کرنے سے متعلق اوپر بیان ہوئیں، اس لیے اس کو بھی شرعی حدود میں رکھنا چاہیے،

اس کو ضروری سمجھنا اور دعا نہ کرنے والے کو ملامت کرنا ہرگز درست نہیں۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، امداد الاحکام، نماز کے بعد ذکر اور دعا کے فضائل واحکام)

نمازوں کے بعد دعا کرنے سے متعلق مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

1۔ رسالۃ استحباب الدعوات عقیب الصلوات از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ۔

2۔ النفائس المرغوبۃ فی حکم الدعاء بعد المکتوبۃ از مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ۔

3۔ احکامِ دعا از مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ۔

4۔ اعلاء السنن از شیخ الاسلام حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ۔

5۔ فقہی رسائل از حضرت اقدس مفتی عبد الرؤف سکھروی صاحب دامت برکاتہم۔

6۔ نماز کے بعد ذکر اور دعا کے فضائل واحکام از حضرت مفتی محمد رضوان صاحب دام ظلہم۔

7۔ امداد المفتین از مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ۔

8۔ فتاویٰ محمودیہ۔

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

26 محرم الحرام 1441ھ/ 26 ستمبر 2019

مقالہ نمبر 2:

اچھے خواب کی شرعی حیثیت
اور ایک غلط فہمی کا اِزالہ

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

اچھے خواب کی شرعی حیثیت اور ایک غلط فہمی کا اِزالہ

سوال: اچھے اور نیک خوابوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ انھیں کس درجے میں ماننا چاہیے؟ بعض لوگوں کے سامنے جب کسی بزرگ کا خواب بیان کیا جائے تو وہ فورًا کہہ دیتے ہیں کہ بزرگوں کا خواب حُجّت اور دلیل نہیں، اس بنا پر اس کی کوئی حیثیت نہیں، اس لیے وہ اس طرح کے ہر خواب کا انکار کر دیتے ہیں، بلکہ ہمارے اکابر کی اُن کتب کی بھی تردید کرتے ہیں جن میں ایسے خواب موجود ہوتے ہیں، کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب حامدًا و مصلّیًا:

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے:

یہ بات تو واضح ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ہوتا ہے، جس کے مطابق عمل پیرا ہونا ضروری ہوتا ہے، جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کی شرح مشکل الآثار میں ہے:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: «إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا» [يوسف: ٤] قَالَ: كَانَتْ رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَحْيًا. وَكَانَ أَحْسَنُ مَا حَضَرَنَا مِمَّا يُؤَوَّلُ عَلَيْهِ هَذَا الْحَدِيثُ: أَنَّ رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ كَانَتْ مِمَّا يُوحِيهِ اللهُ إِيَّاهَا إِلَيْهِمْ، فَيُوحِي إِلَيْهِمْ فِي مَنَامَاتِهِمْ مَا شَاءَ أَنْ يُوحِيَ إِلَيْهِمْ فِيهَا، وَيُوحِي إِلَيْهِمْ فِي يَقَظَاتِهِمْ مَا شَاءَ أَنْ يُوحِيَهُ إِلَيْهِمْ فِيهَا، وَكُلُّ ذَلِكَ وَحْيٌ مِنْهُ إِلَيْهِمْ، يَجْعَلُ مِنْهُ مَا شَاءَ فِي مَنَامَاتِهِمْ، وَيَجْعَلُ مِنْهُ مَا شَاءَ فِي يَقَظَاتِهِمْ. (بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ مِنْ قَوْلِهِ: كَانَتْ رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيًا، مِمَّا نُحِيطُ عِلْمًا أَنَّهُ لَمْ يَقُلْهُ رَأْيًا، وَإِنَّمَا قَالَهُ مِنْ أَخْذِهِ إِيَّاهُ مِنْ حَيْثُ يُؤْخَذُ مِثْلُهُ)

انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ دیگر حضرات کے خواب کا شرعی حکم:

انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کا خواب شیطانی بھی ہو سکتا ہے رحمانی بھی، سچا بھی ہو سکتا ہے جھوٹا بھی، اچھا بھی ہو سکتا ہے بُرا بھی اور نفسانی بھی، یہ امتیوں کے خوابوں کی مختلف اقسام ہیں۔ جہاں تک شیطانی، نفسانی اور

جھوٹے خوابوں کا تعلق ہے تو ان کی حقیقت واضح ہے، اس لیے زیرِ نظر تحریر میں ان سے متعلق بحث کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ جہاں تک امتیوں کے رحمانی، اچھے اور سچے خوابوں کا تعلق ہے تو اس سے متعلق اصولی اور بنیادی نظریہ یہ یاد رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی بھی امتی (چاہے وہ کتنا بھی بڑا بزرگ ہی کیوں نہ ہو) کا خواب (چاہے وہ کتنا ہی سچا کیوں نہ ہو) دلیل اور حجّت نہیں بن سکتا، نہ ہی اس کو اللہ کی وحی کا درجہ دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس خواب کی بنیاد پر کوئی حکم لازم ہو سکتا ہے کہ اس کے مطابق عمل پیرا ہونا ضروری ہو، اسی طرح نہ ہی ان کو ماننا واجب ہوتا ہے، نہ ہی ان کی بنیاد پر کوئی شرعی حکم تبدیل ہو سکتا ہے، نہ ہی ان کی وجہ سے کسی کی ولایت یا فسق وفجور کا فیصلہ ہو سکتا ہے، نہ ہی ان کی بنیاد پر کسی کے جنّتی یا جہنمی کا حتمی فیصلہ ہو سکتا ہے اور نہ خواب کے سبب کسی کو موردِ الزام ٹھہرایا جا سکتا ہے، البتہ ان تمام امور کے باوجود بھی اِن اچھے خوابوں کی اپنی ایک حیثیت اور اہمیت ہے، احادیث میں ان کو مبشّرات اور نبوّت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے، یہ اچھے خواب تسلی، اطمینان، امید اور بشارت کا سبب بن سکتے ہیں، ان کی وجہ سے حسنِ ظن قائم کیا جا سکتا ہے، ان سے متعدد امور میں ایک حد تک راہنمائی مِلا کرتی ہے، ان کی بہترین تعبیرات وجود میں آتی ہیں، متعدد واقعات کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے، تنبیہات بھی ہو جاتی ہیں، یہی ان کی حیثیت اور اہمیت ہے، اس لیے اچھے خوابوں کی اس حیثیت اور حقیقت کا انکار کرنا نادانی اور جہالت ہے۔ البتہ جو لوگ اچھے خوابوں کو اس حیثیت اور حد سے آگے بڑھائیں گے یا دلیل کا درجہ دیں گے تو یقیناً یہ غلطی اور قابلِ اعتراض بات ہے۔ لیکن ساتھ میں یہ بات بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ دلیل نہ بننے کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ ان خوابوں کی اپنی حیثیت کا انکار ہی کر دیا جائے یا ان کو بالکل ہی بے حیثیت اور بے بنیاد قرار دیا جائے؛ یہ بھی بے اعتدالی اور قرآن وسنت کے خلاف طرزِ عمل ہے، جس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

1۔ قرآن واحادیث میں امتیوں کے خوابوں کا بھی ذکر ملتا ہے، تو اگر ان کی کوئی حیثیت نہ ہوتی تو ان کا ذکر ہی بے بنیاد تھا۔ بطورِ مثال سورت یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل میں موجود دو افراد کا خواب، اسی طرح عزیزِ مصر کا خواب ملاحظہ کیجیے۔ اور احادیث میں موجود امتیوں کے خوابوں کے لیے صحاح ستہ دیکھ لی

جائیں جن میں متعدد خواب موجود ہیں، بطورِ مثال ''صحیح بخاری'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنے سے متعلق بہترین خواب ملاحظہ کیجیے:

٧٠١٥- عَنْ نَافِعٍ عَن ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ فِي يَدِي سَرَقَةً مِنْ حَرِيرٍ لَا أَهْوِي بِهَا إِلَى مَكَانٍ فِي الْجَنَّةِ إِلَّا طَارَتْ بِي إِلَيْهِ، فَقَصَصْتُهَا عَلَى حَفْصَةَ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «إِنَّ أَخَاكِ رَجُلٌ صَالِحٌ» أَوْ قَالَ: «إِنَّ عَبْدَ اللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ».

2۔ متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ اچھے خوابوں کو پسند فرماتے اور صحابہ کے خواب سنا کرتے بلکہ باقاعدہ پوچھتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ پھر اس کی تعبیر ارشاد فرماتے۔

- جیسا کہ السنن الکبریٰ للبیہقی میں ہے:

٣١٤٩- عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا صَلَّى صَلاةَ الصُّبْحِ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَقَالَ: «هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمْ رُؤْيَا».

- مسند احمد میں ہے:

١٢٣٨٥- عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ تُعْجِبُهُ الرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ، فَرُبَّمَا قَالَ: «هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمْ رُؤْيَا؟» فَإِذَا رَأَى الرَّجُلُ رُؤْيَا سَأَلَ عَنْهُ .... إلخ.

3۔ حضور اقدس ﷺ نے اچھے خوابوں کو مبشرات قرار دیا ہے یعنی یہ بندے کے لیے بشارت ہوتے ہیں، اور نہ صرف بشارت ہوتے ہیں بلکہ یہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ بھی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ عنوان قائم کرتے ہیں کہ ''باب المبشرات''، یعنی بشارت بننے والے خوابوں کا بیان۔ پھر اس کے تحت حدیث لاتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: ''نبوت میں سے سچے خواب ہی باقی بچے ہیں۔''

٦٩٩٠- عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ»، قَالُوا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: «الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ».

اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت تو مجھ پر ختم ہو چکی اور وحی کے ذریعے جو تمھیں علم حاصل ہوا کرتا ہے اس کا سلسلہ بھی میرے بعد باقی نہیں رہے گا، البتہ نبوت کے علم میں سے جو چیز باقی بچی ہے وہ سچے خواب ہیں کہ ان

کی وجہ سے بشارت کے درجے میں علم حاصل ہوتا رہے گا۔

4۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جس نے خواب میں مجھے دیکھا تو اس نے مجھے ہی دیکھا کیوں کہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا، اور مؤمن کا سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوا کرتا ہے۔'' جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

٦٩٩٤- عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَخَيَّلُ بِي، وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِن النُّبُوَّةِ».

مؤمن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ چوں کہ نبی کا خواب سچا ہوا کرتا ہے اور مؤمن کو چوں کہ نبی سے تعلق ہوتا ہے اس لیے اس کی برکت اور اثر یہ ہوتا ہے کہ مؤمن کے اکثر خواب سچے ہوا کرتے ہیں۔

اس کے بعد امام بخاری ایک اور حدیث لاتے ہیں کہ: ''اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہے۔''

٦٩٩٥- عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِن اللهِ».

یہ احادیث اچھے خواب کی اپنی حیثیت اور اہمیت ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

5۔ حضور اقدس ﷺ نے خوابوں کی حیثیت، حقیقت اور تعبیرات سے متعلق متعدد احادیث ارشاد فرمائی ہیں جیسا کہ صحاح ستہ کی کتب سے بھی واضح ہے۔

6۔اہل السنۃ والجماعۃ کے جلیل القدر اہل علم اور بزرگان دین حضرات صحابہ سے لے کر ہر دور کے اکابر کرام کے اچھے خواب اپنی کتب میں نقل کرتے چلے آرہے ہیں، اس سے بھی خوابوں کی اپنی اہمیت معلوم ہو جاتی ہے۔

7۔اہل السنۃ والجماعۃ کے جلیل القدر اہل علم اور بزرگان دین اس کے قائل رہے ہیں۔

8۔ ہر دور میں خوابوں کی تعبیر بتانے والے موجود رہے ہیں، کیا ان سب کو موردِ الزام ٹھہرایا جاسکتا ہے کہ وہ ایک عبث کام میں لگے رہے؟

9۔ خوابوں کا آنا ایک کھلی حقیقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان کی اپنی حیثیت ختم کر سکتا ہے۔ یہ جہالت اور ناانصافی ہی ہو سکتی ہے۔

ان تمام وجوہات سے معلوم ہوا کہ خوابوں کی اپنی ایک اہمیت اور حیثیت ہے۔ اس لیے خواب کو اپنے ہی درجے میں رکھنا چاہیے، انھیں ان کی حیثیت اور اہمیت سے آگے بڑھانا بھی غلط ہے اور اس حد سے گھٹانا بھی غلط ہے۔ اس لیے جب کسی بزرگ کا اچھا سا خواب بیان ہو تو محض یہ کہہ کر انکار کر دینا کہ خواب دلیل نہیں بن سکتا؛ یہ انتہائی غلط طرزِ عمل ہے کیوں کہ ہم کب اس کے قائل ہیں کہ خواب دلیل بن سکتا ہے؟ یہ بات تو وہاں کہی جاتی ہے جہاں کوئی اچھے خواب کو اپنی حد سے زیادہ حیثیت دے رہا ہو لیکن جہاں کوئی اس کو اپنی حیثیت میں ہی رکھ رہا ہو تو وہاں دلیل نہ بننے کی بات کیسے پیش کی جا سکتی ہے؟ کیا دلیل نہ بننے کی آڑ میں اس کا انکار کرنا درست ہے؟ آخر اس کی اپنی حیثیت کا تو انکار نہیں کرنا چاہیے! یہ اس طرح ہے کہ کوئی آپ کے سامنے تہجد کی فضیلت بیان کرے تو آپ جھٹ سے اس کے سامنے کہیں کہ یہ کوئی فرض اور واجب تو نہیں! اب ظاہر ہے کہ یہ کس قدر غلط بات ہے کیوں کہ سامنے والے نے کب دعویٰ کیا ہے کہ تہجد فرض یا واجب ہے؟ یہ بات تو وہاں کہنی چاہیے جہاں کوئی اس کو فرض یا واجب سمجھ رہا ہو، لیکن کیا تہجد کے فرض اور واجب نہ ہونے سے اس کی اپنی حیثیت کا انکار کیا جا سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں کیوں کہ تہجد کی اپنی بڑی حیثیت ہے۔ اس تفصیل سے سوال کا بخوبی جواب ہو جاتا ہے۔

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
7 صفر 1441ھ/ 7 اکتوبر 2019

مقالہ نمبر 3:

مرد اور عورت کے سجدے میں فرق کا ثبوت

احادیث مبارکہ، حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام کی تصریحات کی روشنی میں

فہرست:

- عورت کے سجدے کا طریقہ۔
- مرد کے سجدے کا طریقہ۔
- مرد اور عورت کی نماز میں اُصولی فرق۔
- مرد اور عورت کی نماز میں فرق پر ائمہ اربعہ کا اتفاق۔
- عورت سراپا پردہ ہے۔
- عورت کے لیے نماز پڑھنے کی افضل جگہ۔
- عورت کے لیے افضل جگہ۔
- مرد اور عورت کے سجدے میں فرق کا ثبوت۔
- ایک حدیث سے متعلق غلط فہمی کا اِزالہ۔

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

عورت کے سجدے کا طریقہ:

عورت سجدے میں جاتے ہوئے سینہ آگے کو جھکاتے ہوئے جائے۔ زمین پر پہلے اپنے گھٹنے رکھے، پھر ہاتھ، پھر ناک اور پھر پیشانی رکھے۔ سر کو دونوں ہاتھوں کے درمیان اس طرح رکھے کہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر آجائیں (جیسا کہ مردوں کے لیے تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھانے کا طریقہ ہے)، اور ہاتھوں کی انگلیاں ملا کر قبلہ رخ رکھے۔ اور خوب سمٹ کر اور دَب کر سجدہ کرے کہ پیٹ رانوں سے مل جائے، کہنیاں زمین پر بچھا دے اور سینے (یعنی پہلو) سے بھی لگادے، دونوں پاؤں کو دائیں طرف نکال کر زمین پر بچھادے، اور جتنا ہو سکے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے۔ سجدے کے دوران نگاہ ناک کی طرف رکھے۔

مرد کے سجدے کا طریقہ:

سجدے میں جاتے ہوئے سینہ آگے کو جھکاتے ہوئے نہ جائے، اسی طرح گھٹنے رکھنے سے پہلے کمر اور سینے کو بھی نہ جھکائے۔ زمین پر پہلے اپنے گھٹنے رکھے، پھر ہاتھ، پھر ناک اور پھر پیشانی رکھے۔ سر کو دونوں ہاتھوں کے درمیان اس طرح رکھے کہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر آجائیں جیسا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھانے کا طریقہ ہے، اور ہاتھوں کی انگلیاں ملا کر قبلہ رخ رکھے۔ پیٹ رانوں سے جدا رکھے۔ کہنیاں زمین پر نہ بچھائے۔ اسی طرح کہنیوں کو سینے (یعنی پہلو) سے بھی الگ رکھے۔ دونوں پاؤں کو اس طرح سیدھا کھڑا رکھے کہ ایڑھیاں اوپر کی جانب ہوں۔ پاؤں کی انگلیوں کو اچھی طرح موڑ کر قبلہ رخ رکھے۔ سجدے کے دوران نگاہ ناک کی طرف رکھے۔

مرد اور عورت کی نماز میں اُصولی فرق:

شریعت نے عورت اور مرد کے مابین نماز کے معاملے میں واضح فرق رکھا ہے، جس کی وجہ سے متعدد مقامات میں عورت کی نماز مرد کی نماز سے مختلف ہے، مرد اور عورت کی نماز میں ایک اہم اور اصولی فرق یہ ہے کہ عورت چوں کہ نام ہی حیا اور پردے کا ہے اس لیے عورت کے لیے نماز میں وہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے جو

عورت کے لیے زیادہ ستر اور پردے کا باعث ہو اور یہی طریقہ اللہ تعالی کو پسند ہے۔

جیسا کہ امام محدث بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَجِماعُ مَا يُفَارِقُ الْمَرْأَةَ فِيهِ الرَّجُلُ مِنْ أَحْكَامِ الصَّلَاةِ رَاجِعٌ إِلَى السَّتْرِ، وَهُوَ أَنَّهَا مَأْمُورَةٌ بِكُلِّ مَا كَانَ أَسْتَرَ لَهَا.

(السنن الكبرى للبيهقي: باب مَا يُسْتَحَبُّ لِلْمَرْأَةِ مِنْ تَرْكِ التَّجَافِي فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ)

ترجمہ: مرد اور عورت کی نماز میں باہمی فرق کے تمام تر مسائل کی بنیاد ستر اور پردہ ہے، چنانچہ عورت کو نماز میں اسی طریقے کا حکم دیا گیا ہے جو عورت کے لیے زیادہ ستر اور پردے کا باعث ہو۔

مرد اور عورت کی نماز میں فرق پر ائمہ اربعہ کا اتفاق:

مرد اور عورت کی نماز میں فرق ہونے سے متعلق ائمہ اربعہ کا اتفاق اور اجماع ہے، جس کی وجہ سے اس مسئلے کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے،اس لیے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مرد اور عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں حتی کہ وہ عورتوں کو مردوں کی طرح نماز پڑھنے پر مجبور کرتے ہیں، تو ایسے لوگ کھلی غلطی کا شکار ہیں کیوں کہ مرد اور عورت کی نماز میں فرق کا ہونا متعدد دلائل سے ثابت ہے۔

عورت سراپا پردہ ہے:

- سنن الترمذی میں ہے:

١١٧٣: عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ، فَإِذَا خَرَجَت اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ».

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’عورت سراپا پردہ ہے، جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے۔‘‘ یعنی شیطان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو اس بات پر اُبھارے کہ وہ اس عورت کو دیکھ کر بد نظری اور دیگر گناہوں میں مبتلا ہوں۔

عورت کے لیے نماز پڑھنے کی افضل جگہ:

- سنن ابی داود میں ہے:

٥٧٠: عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا، وَصَلَاتُهَا فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا».

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''عورت کے لیے صحن میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل یہ ہے کہ وہ کمرے میں نماز پڑھے، اور کمرے میں بھی زیادہ افضل یہ ہے کہ وہ کسی کونے (اور پوشیدہ جگہ) میں نماز ادا کرے۔''

عورت کے لیے افضل جگہ:

- صحیح ابن حبان میں ہے:

٥٥٩٩: عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ، فَإِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ، وَأَقْرَبُ مَا تَكُونُ مِنْ رَبِّهَا إِذَا هِيَ فِي قَعْرِ بَيْتِهَا».

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''عورت تو پردے کی چیز ہے، جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف جھانکتا ہے۔ اور عورت اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے کسی کونے میں ہو۔''

ان احادیث سے عورت کے لیے ستر اور پردے کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں بھی عورت کے لیے ستر کا لحاظ رکھنا مناسب ہے۔

مرد اور عورت کے سجدے میں فرق کا ثبوت

حضور اقدس ﷺ کی احادیث مبارکہ:

1: مراسیل ابی داود میں ہے:

٨٧: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ غَيْلَانَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَرَّ عَلَى امْرَأَتَيْنِ تُصَلِّيَانِ فَقَالَ: «إِذَا سَجَدْتُمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ إِلَى الْأَرْضِ؛ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ لَيْسَتْ فِي ذَلِكَ كَالرَّجُلِ».

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز ادا کر رہی تھیں، تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ: ”جب تم سجدہ کرو تو جسم کا بعض حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ تم اس معاملے میں مردوں کی طرح نہیں ہو۔“

یہ حدیث بالکل ہی واضح ہے کہ مرد اور عورت کے سجدے میں فرق ہے، یہ حدیث معتبر ہے، دیکھیے ”اِعلاء السنن“۔

2: الکامل لابن عدی میں ہے:

٣٩٩: عن مجاهد عن عبد الله بن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا جلست المرأة في الصلاة وضعت فخذها على فخذها الأخرى، وإذا سجدت ألصقت بطنها في فخذها كأستر ما يكون لها؛ فان الله ينظر إليها ويقول: يا ملائكتي، أشهدكم أني قد غفرت لها».

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جب عورت سجدہ کرے تو پیٹ کو رانوں کے ساتھ ملالے جو اس کے لیے زیادہ ستر کا باعث ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ کر فرماتا ہے کہ اے فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے اس عورت کو بخش دیا ہے۔“

یہ حدیث بھی بالکل ہی واضح ہے کہ مرد اور عورت کے سجدے میں فرق ہے۔ یہ حدیث سنن کبریٰ بیہقی میں بھی ہے۔ واضح رہے کہ یہ حدیث بھی معتبر ہے خصوصًا جب اس کے متعدد شواہد بھی ہیں جن کی وجہ

سے اس کو مزید تقویت مل جاتی ہے، اس لیے اس کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ نہیں، جہاں تک اس کے راوی ابو مطیع کا تعلق ہے تو وہ معتبر راوی ہے، دیکھیے ''اعلاء السنن''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثبوت:

- مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

۲۷۹۳- حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: إِذَا سَجَدَتِ الْمَرْأَةُ فَلْتَحْتَفِز وَلْتَضُمَّ فَخِذَيْهَا.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: جب عورت سجدہ کرے تو سمٹ کر اور دب کر کرے اور رانوں کو (پیٹ اور سینے کے ساتھ) ملا لے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے ہیں جن کے قول کو بھی سنت کا درجہ حاصل ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ثبوت:

- مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

۲۷۹٤: حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُقْرِئُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي أَيُّوبَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ صَلَاةِ الْمَرْأَةِ، فَقَالَ: تَجْتَمِعُ وَتَحْتَفِزُ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عورت کی نماز سے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ: سمٹ کر، سکڑ کر اور دب کر نماز ادا کرے گی۔

جلیل القدر تابعی امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے ثبوت:

- مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

۲۷۹٥: حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا سَجَدَتِ الْمَرْأَةُ فَلْتَضُمَّ فَخِذَيْهَا

وَلْتَضَعْ بَطْنَهَا عَلَيْهِمَا.

ترجمہ: امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: عورت جب سجدہ کرے گی تو رانوں کو ملا کر پیٹ کو ان پر رکھے گی۔

۲۷۹۸: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَان، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا سَجَدَتِ الْمَرْأَةُ فَلْتَلْزَقْ بَطْنَهَا بِفَخِذَيْهَا، وَلا تَرْفَعْ عَجِيزَتَهَا، وَلا تُجَافِي كَمَا يُجَافِي الرَّجُلُ.

ترجمہ: امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: عورت جب سجدہ کرے گی تو پیٹ کو رانوں سے ملائے گی اور مرد کی طرح سرین نہیں اٹھائے گی۔

- مصنف عبد الرزاق میں ہے:

۵۰۷۱: عبد الرزاق عن معمر والثوري عن منصور، عن إبراهيم قال: كانت تؤمر المرأة أن تضع ذراعها وبطنها على فخذيها إذا سجدت، ولا تتجافى كما يتجافى الرجل لكي لا ترفع عجيزتها.

ترجمہ: امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: عورتوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ وہ سجدے میں اپنے بازو اور پیٹ رانوں پر رکھے گی، اور اعضا کو کھلا اور جدا نہیں رکھے گی تاکہ سرین اوپر کو نہ اُٹھ جائے۔

- سنن کبری بیہقی میں ہے:

۳۰۷: قَالَ إِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ: كَانَتِ الْمَرْأَةُ تُؤْمَرُ إِذَا سَجَدَتْ أَنْ تَلْزَقَ بَطْنَهَا بِفَخِذَيْهَا كَيْ لَا تَرْتَفِع عَجِيزَتُهَا، وَلَا تُجَافِي كَمَا يُجَافِي الرَّجُلُ.

ترجمہ: امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: عورت کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ وہ سجدے میں اپنے پیٹ کو رانوں کے ساتھ ملا کر رکھے گی، اور اعضا کو کھلا اور جدا نہیں رکھے گی تاکہ سرین اوپر کو نہ اُٹھ جائے۔

جلیل القدر تابعی امام مجاہد رحمہ اللہ سے ثبوت:

- مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

۲۷۹۶- حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ لَيْثٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ: أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ بَطْنَهُ عَلَى فَخِذَيْهِ إِذَا

سَجَدَ كَمَا تَصْنَعُ الْمَرْأَةُ.

ترجمہ: امام مجاہد رحمہ اللہ یہ بات مکروہ سمجھتے تھے کہ مرد عورت کی طرح سجدے میں پیٹ کو رانوں پر رکھے۔

جلیل القدر تابعی امام حسن بصری رحمہ اللہ سے ثبوت:

- مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

۲۷۹۷: حَدَّثَنَا ابْنُ مُبَارَكٍ عَنْ هِشَامٍ، عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: الْمَرْأَةُ تَضْطَمُّ فِي السُّجُودِ.

ترجمہ: امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: عورت سجدے میں سمٹ کر اور دب کر رہے گی۔

جلیل القدر تابعی امام عطا رحمہ اللہ سے ثبوت:

- مصنف عبد الرزاق میں ہے:

٥٠٦٩: عبد الرزاق عن ابن جريج، عن عطاء قال: تجتمع المراة إذا ركعت ترفع يديها إلى بطنها وتجتمع ما استطاعت، فإذا سجدت فلتضم يديها إليها وتضم بطنها وصدرها إلى فخذيها وتجتمع ما استطاعت.

ترجمہ: امام عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب عورت سجدہ کرے گی تو ہاتھوں کو اپنے ساتھ مِلا لے گی، پیٹ اور سینے کو رانوں کے ساتھ ملا لے گی اور ممکنہ حد تک اپنے آپ کو سمیٹے گی۔

جلیل القدر تابعین امام حسن بصری اور امام قتادہ رحمہما اللہ سے ثبوت:

- مصنف عبد الرزاق میں ہے:

٥٠٦٨: عبد الرزاق عن معمر، عن الحسن وقتادة قالا: إذا سجدت المرأة فإنها تنضم ما استطاعت ولا تتجافى لكي لا ترفع عجيزتها.

ترجمہ: امام حسن بصری اور امام قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ: جب عورت سجدہ کرے گی تو ممکنہ حد تک اپنے اعضا کو (باہم اور زمین کے ساتھ) ملا کر رکھے گی، اور انھیں کھلا اور جدا نہیں رکھے گی تاکہ سرین اوپر کو نہ

اُٹھ جائے۔

ان حضرات صحابہ کرام نے حضور اقدس ﷺ سے سن کر ہی سجدے کا یہ فرق بیان فرمایا ہے کیوں کہ یہ باتیں قیاس واجتہاد سے بیان نہیں کی جاسکتیں، اسی طرح حضرات تابعین کرام نے بھی حضرات صحابہ کرام سے سن کر ہی امت تک یہ فرق پہنچایا ہے، اس لیے یہی حق ہے اور حق اسی قابل ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

ایک حدیث سے متعلق غلط فہمی کا اِزالہ:

ما قبل کے دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مرد اور عورت کے سجدے میں واضح فرق ہے۔ بعض حضرات مرد اور عورت کے سجدے میں فرق نہ ہونے پر سنن ابی داود وغیرہ سے یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ:

۸۹۷: عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ، وَلَا يَفْتَرِشْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ الْكَلْبِ».

جس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے بازوؤں کو سجدے میں کتے کی طرح نہ پھیلائے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ یہ حدیث عورتوں کے لیے بھی ہے، اس لیے اس حدیث کے جملے ’’وَلَا يَفْتَرِشْ أَحَدُكُمْ‘‘ میں عورتیں بھی داخل ہیں، اس لیے ان کو بھی مردوں کی طرح بازو زمین پر نہیں پھیلانے چاہییے بلکہ سجدہ مردوں ہی کی طرح کرنا چاہیے۔

جواب:

یہ حدیث اپنی ذات میں بالکل صحیح ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث صرف مرد حضرات کے بارے میں ہے نہ کہ خواتین کے بارے میں، جس کی چند وجوہات درجہ ذیل ہیں:

1۔ صحیح مسلم میں اسی مضمون کی حدیث موجود ہے جس میں واضح طور پر ’’يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ‘‘ کا لفظ آیا ہے اور ’’رَجُل‘‘ عربی میں مرد ہی کو کہتے ہیں کہ مرد اپنے بازو سجدے میں نہ بچھائے۔ اس حدیث سے سنن ابی داود والی

حدیث کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہے اور اس میں عورتیں شامل نہیں۔

- صحیح مسلم میں ہے:

١١٣٨: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ -يَعْنِي الأَحْمَرَ- عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ، ح: قَالَ: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ -وَاللَّفْظُ لَهُ- قَالَ: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ عَنْ بُدَيْلِ بْنِ مَيْسَرَةَ، عَنْ أَبِي الْجَوْزَاءِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةَ بِـ«الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ»، وَكَانَ إِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلَكِنْ بَيْنَ ذَلِكَ وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَائِمًا، وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَسْتَوِيَ جَالِسًا، وَكَانَ يَقُولُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ، وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى، وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهَى أَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ السَّبُعِ، وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيمِ.

2: ”سنن ابی داود“ کے مضمون والی حدیث کے بارے میں امت کے عظیم محدث علامہ عبد الرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ ”فیض القدیر“ میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صرف مردوں کے لیے ہے، اور جہاں تک عورتوں کا حکم ہے تو وہ دب کر اور سمٹ کر سجدہ کرے گی کیونکہ یہی ان کے لیے ستر کا باعث ہے۔

- فيض القدير:

(إذا سجد أحدكم فليعتدل) أي فليتوسط بين الافتراش والقبض في السجود بوضع كفيه على الأرض ورفع ذراعيه وجنبيه عنها؛ لأنه أمكن وأشد اعتناء بالصلاة، وفيه أنه يندب أن يجافي بطنه ومرفقيه عن فخذيه وجنبيه، لكن الخطاب للرجال كما دل عليه تعبيره بـ«أحدكم»، أما المرأة فتضم بعضها لبعض؛ لأن المطلوب لها الستر.

3: حدیث میں مذکور ”وَلَا يَفْتَرِشْ أَحَدُكُمْ“ میں ”أَحَدُكُمْ“ کا لفظ بذاتِ خود مردوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ”تم میں سے کوئی شخص“ کیوں کہ خطاب ہی مردوں کو ہو رہا ہے جیسا کہ فیض القدیر کی عبارت میں مذکور ہے۔

4: ماقبل میں مذکور متعدد دلائل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عورت سِمٹ کر، دَب کر سجدہ کرے گی اور پیٹ اور سینے کو رانوں سے ملائے گی، تو اگر ''سنن ابی داود'' کی حدیث میں مذکور ''وَلَا یَفْتَرِشْ أَحَدُکُمْ'' کا حکم عورتوں کے لیے بھی تسلیم کرلیں تو ان تمام دلائل کے مابین تعارض اور ٹکراؤ پیدا ہوگا جو کہ درست نہیں، اس لیے اس حدیث کے ایسے معنی بیان کرنا دین کی خدمت نہیں ہوسکتی جو دیگر احادیث کے خلاف ہو۔

5: ''سنن ابی داود'' کی حدیث شریف میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے کہ جس سے یہ معلوم ہو رہا ہو کہ یہ حدیث خواتین کے لیے بھی ہے، اس لیے جس حدیث میں عورتوں کے سجدے کی وضاحت نہ ہو اس سے اس معاملے میں استدلال کیسے درست ہے؟؟ جبکہ اس کے برعکس متعدد روایات سے یہ ثابت ہے کہ یہ سجدے کا حکم بھی ان احکام میں سے ہے جن میں مردوں اور عورتوں کا باہمی فرق ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: مرد اور عورت کی نماز میں فرق کا ثبوت از مفتی محمد رضوان صاحب دام ظلہم، خواتین کا طریقہ نماز از حضرت مفتی عبد الرؤف سکھروی صاحب دام ظلہم۔

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

24 صفر 1441ھ/24 اکتوبر 2019

مقالہ نمبر 4:

کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کا حکم اور طریقہ

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کی سنت سے عمومی غفلت:

حضور اقدس ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت اور فضیلت بڑی واضح سی بات ہے، یہ حضور اقدس ﷺ کی محبت کا حق بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ہر سنت کی یہ خاصیت ہے کہ یہ بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی سنتوں میں سے ایک اہم سنت کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا بھی ہے، دیگر بہت سی سنتوں کی طرح اس سنت سے بھی ہمارے معاشرے میں عمومی غفلت پائی جاتی ہے کہ کوئی تو۔۔۔ معاذ اللہ۔۔۔ اسے عیب اور بد تہذیبی سمجھتا ہے اور کوئی انگلیاں چاٹے بغیر ہی ہاتھ دھولیتا ہے یا پھر کسی کپڑے یا ٹیشو پیپر وغیرہ سے صاف کرلیتا ہے۔ اس طرح کی باتوں کے نتیجے میں انگلیاں چاٹنے کی سنت فراموش ہو جاتی ہے، حالاں کہ ایک مسلمان کے لیے حضور اقدس ﷺ کی سنت سب سے بڑھ کر ہونی چاہیے۔ اور یہی ہر مسلمان کا یقین ہے کہ حضور ﷺ کی سنت تہذیب کے سب سے اعلیٰ پیمانے پر ہے اور تہذیب اسی میں منحصر ہے، بلکہ یہ تمام تر تہذیبوں کی اصلاح کے لیے ایک واضح معیار اور پیمانہ بھی ہے!

کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کا حکم:

کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے اور کسی کپڑے یا ٹیشو پیپر وغیرہ سے صاف کرنے سے پہلے انگلیاں چاٹنا سنت ہے، متعدد احادیث میں اس کی ترغیب اور اہمیت بیان فرمائی گئی ہے۔ (عمدۃ القاری، اِصلاحی خطبات جلد 5)

1۔ **حدیث:** حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو (اس کے بعد) ہاتھ کو (کسی کپڑے وغیرہ سے) صاف کرنے سے پہلے اس (کی انگلیوں) کو چاٹ لے یا کسی اور کو چٹوا دے۔‘‘

- صحیح بخاری میں ہے:

٥٤٥٦- عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمْسَحْ يَدَهُ حَتَّى يَلْعَقَهَا أَوْ يُلْعِقَهَا».

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر خود انگلیاں نہ چاٹے تو کم از کم کسی دوسرے کو چٹوا دے، اس حدیث سے کھانے سے فراغت کے بعد انگلیاں چاٹنے کی تاکید اور اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

2۔**حدیث:** حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ’’(تم میں سے کوئی شخص کھانا کھانے کے بعد) ہاتھ کو رومال (یا کسی اور چیز) سے صاف کرنے سے پہلے اپنی انگلیاں چاٹ لے کیوں کہ اسے نہیں معلوم کہ کھانے کے کونسے حصے میں برکت ہے!‘‘

- صحیح مسلم میں ہے:

٥٤٢١- عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا وَقَعَتْ لُقْمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيَأْخُذْهَا فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ أَذًى وَلْيَأْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ، وَلَا يَمْسَحْ يَدَهُ بِالْمِنْدِيلِ حَتَّى يَلْعَقَ أَصَابِعَهُ؛ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي فِي أَيِّ طَعَامِهِ الْبَرَكَةُ». (باب اسْتِحْبَابِ لَعْقِ الأَصَابِعِ)

کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کی حکمت:

ماقبل کی حدیث سے انگلیاں چاٹنے کی حکمت یہ معلوم ہوئی کہ چوں کہ ہمیں نہیں معلوم کہ کھانے کے کس حصے اور جُز میں برکت ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ انگلیوں میں لگے کھانے کے اجزا میں برکت ہو، جس کا تقاضا یہ ہے کہ کھانے سے فراغت کے بعد انگلیاں چاٹ لینی چاہیے تاکہ اگر انگلیوں میں لگے کھانے کے اجزا میں برکت موجود ہو تو وہ حاصل ہوجائے، کیوں کہ اس سے غفلت کے نتیجے میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں برکت سے محروم نہ ہوجائیں۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ برکت کا حصول کس قدر اہمیت رکھتا ہے کیوں کہ کھانے کی جسمانی اور روحانی افادیّت تو برکت ہی سے وابستہ ہے!

انگلیاں چاٹنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس حدیث شریف میں انگلیوں پر لگے کھانے کے اجزا کو بھی کھانے کا حصہ قرار دیا ہے، اس لیے جب کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے تو انگلیوں پر لگے کھانے کے اجزا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، اور جب کھانا قابلِ قدر ہے تو یہ انگلیوں پر لگے کھانے کے اجزا بھی قابلِ قدر ہیں کیوں کہ جس نعمت کا کثیر قابلِ قدر ہے تو اس کا قلیل بھی قابلِ قدر ہے، اس لیے انگلیاں چاٹے بغیر دھو لینے یا صاف کرلینے کے نتیجے میں کھانے کے یہ اجزا ضائع ہوجاتے ہیں جو کہ نعمت کی ناقدری ہے، اس لیے کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لی جائیں تاکہ کھانے کے یہ اجزا ضائع نہ ہوں۔

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کی ترتیب اور طریقہ:

کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کی ترتیب اور طریقے سے متعلق ایک حدیث شریف میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ وہ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمارہے تھے: انگوٹھے، شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی سے۔ پھر میں نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ (کھانا کھانے کے بعد) اپنی ان تین انگلیوں کو (کسی کپڑے وغیرہ سے) صاف کرنے سے پہلے چاٹ رہے تھے، (اس ترتیب کے ساتھ کہ) پہلے درمیان والی انگلی چاٹی، پھر شہادت والی، پھر انگوٹھے کو چاٹا۔

- المعجم الاوسط میں ہے:

١٦٤٩- عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَأْكُلُ بِأَصَابِعِهِ الثَّلَاثِ: بِالْإِبْهَامِ، وَالَّتِي تَلِيهَا، وَالْوُسْطَى، ثُمَّ رَأَيْتُهُ يَلْعَقُ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ قَبْلَ أَنْ يَمْسَحَهَا، وَيَلْعَقُ الْوُسْطَى، ثُمَّ الَّتِي تَلِيهَا، ثُمَّ الْإِبْهَامَ».

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے درمیان والی انگلی چاٹی جائے، پھر شہادت کی انگلی اور پھر انگوٹھا۔ (عمدۃ القاری، اِصلاحی خطبات)، اور اگر ان تین انگلیوں کے علاوہ دوسری انگلیاں بھی کھانے میں استعمال ہوئی ہیں تو ان تین انگلیوں کے بعد پہلے درمیان والی انگلی کے ساتھ والی انگلی، پھر چھوٹی انگلی چاٹ لی جائے۔
(کھانے پینے کے آداب از مفتی محمد رضوان صاحب دام ظلہم)

- عمدۃ القاری میں ہے:

الأول: أَن نفس اللعق مُسْتَحبّ؛ مُحَافظَةً على تنظيفها ودفعًا للكبر، وَالْأَمر فِيهِ مَحْمُول على النّدب والإرشاد عِنْد الْجُمْهُور، وَحمله أهل الظَّاهِر على الْوُجُوب، وَقَالَ الْخطابِيّ: قد عَابَ قوم لعق الْأَصَابِع؛ لِأَن الترفة أفسد عُقُولهمْ وَغير طباعهم الشِّبَع والتخمة، وَزَعَمُوا أَن لعق الْأَصَابِع مستقبح أَو مستقذر أَو لم يعلمُوا أَن الَّذِي على أَصَابِعه جُزْء من الَّذِي أكله فَلَا يتحاشى مِنْهُ إِلَّا متكبر ومترفه تَارِك للسّنة. الثَّانِي: أَن من الْحِكْمَة فِي لعق الْأَصَابِع مَا ذكره

فِي حَدِيث أبي هُرَيْرَة وَأخرجه التِّرْمِذِيّ قَالَ: قَالَ رَسُول الله ﷺ: «إِذا أكل أحدكُم فليلعق أَصَابِعه فَإِنَّهُ لَا يدْرِي فِي أَي طَعَامه الْبركَة». وَأخرجه مُسلم أَيْضا وَالنَّسَائِيّ وَابْن مَاجَه من رِوَايَة سُفْيَان الثَّوْرِيّ عَن أبي الزبير عَن جَابر قَالَ: قَالَ رَسُول الله ﷺ: «إِذا وَقعت لقْمَة أحدكُم فليأخذها فليُمِطْ مَا كَانَ بهَا من أَذَى وليأكلها وَلَا يَدعهَا للشَّيْطَان، وَلَا يمسح يَده بالمنديل حَتَّى يلعق أَصَابِعه؛ فَإِنَّهُ لَا يدْرِي فِي أَي طَعَامه الْبركَة» يَعْنِي: فِيمَا أكل أَو فِيمَا بَقِي فِي الْإِنَاء، فيلعق يَده وَيمْسَح الْإِنَاء رَجَاء حُصُول الْبركَة. وَالْمرَاد بِالْبركَةِ -وَالله أعلم- مَا يحصل بِهِ التغذية وتسلم عاقبته من أَذَى ويقوى على طَاعَة الله تَعَالَى، وَغير ذَلِك، وَقَالَ النَّوَوِيّ: وأصل الْبركَة الزِّيَادَة وَثُبُوت الْخَيْر والامتناع بِهِ. وَالثَّالِث: أَنه يَنْبَغِي فِي لعق الْأَصَابِع الِابْتِدَاء بالوسطى ثمَّ السبابَة ثمَّ الْإِبْهَام، كَمَا جَاءَ فِي حَدِيث كَعْب بن عجْرَة رَوَاهُ الطَّبَرَانِيّ فِي «الْأَوْسَط» قَالَ: رَأَيْت رَسُول الله ﷺ يَأْكُل بأصابعه الثَّلَاث قبل أَن يمسحها بالإبهام وَالَّتِي تَلِيهَا وَالْوُسْطَى، ثمَّ رَأَيْته يلعق أَصَابِعه الثَّلَاث فيلعق الْوُسْطَى ثمَّ الَّتِي تَلِيهَا ثمَّ الْإِبْهَام. وَكَانَ السَّبَب فِي ذَلِك أَن الْوُسْطَى أَكثر الثَّلَاثَة تلويثًا بِالطَّعَامِ؛ لِأَنَّهَا أعظم الْأَصَابِع وأطولها، فَينزل فِي الطَّعَام مِنْهُ أَكثر مِمَّا ينزل من السبابَة، وَينزل من السبابَة فِي الطَّعَام أَكثر من الْإِبْهَام؛ لطول السبابَة على الْإِبْهَام وَيحْتَمل أَن يكون الْبدء بالوسطى؛ لكَونهَا أول مَا ينزل فِي الطَّعَام؛ لطولها. وَالرَّابِع: أَن فِي الحَدِيث: «فَلَا يمسح يَده حَتَّى يلعقها»، وَهَذَا مُطلق، وَالْمرَاد بِهِ الْأَصَابِع الثَّلَاث الَّتِي أَمر بِالْأَكْلِ بهَا كَمَا فِي حَدِيث أنس أخرجه مُسلم وَأَبُو دَاوُد وَالتِّرْمِذِيّ وَالنَّسَائِيّ من رِوَايَة حَمَّاد ابن سَلمَة عَن ثَابت عَن أنس: أَن رَسُول الله ﷺ كَانَ إِذا أكل طَعَاما لعق أَصَابِعه الثَّلَاث، وَبَين الثَّلَاث فِي حَدِيث كَعْب بن عجْرَة الْمَذْكُور أنفًا، وَهَذَا يدل على أَنه ﷺ كَانَ يَأْكُل بِهَذِهِ الثَّلَاث الْمَذْكُورَة فِي حَدِيث كَعْب. وَقَالَ ابْن الْعَرَبِيّ: فَإِن شَاءَ أحد أَن يَأْكُل بالخمس فليَأْكُل فقد كَانَ النَّبِي ﷺ يتعرق الْعظم وينهش اللَّحْم، وَلَا يُمكن أَن يكون ذَلِك فِي الْعَادة إِلَّا بالخمس كلهَا. وَقَالَ شَيخنَا: فِيهِ نظر؛ لِأَنَّهُ يُمكن بِالثلَاثِ، وَلَئِن سلمنَا مَا قَالَه فَلَيْسَ هَذَا أكلا بالأصابع الْخمس، وَإِنَّمَا هُوَ مُمْسك بالأصابع فَقَط لَا آكل

بهَا، وَلَئِن سلمنَا أَنه آكل بهَا لعدم الْإِمْكَان فَهُوَ محل الضَّرُورَة كمن لَيْسَ لَهُ يَمِين فَلهُ الْأكل بالشمال. قلت: حَاصِل هَذَا أَن شَيخنَا منع اسْتِدْلَال ابْن الْعَرَبِيّ بِمَا ذكره، وَالْأَمر فِيهِ أَن السّنة أَن يَأْكُل بالأصابع الثَّلَاث وَإِن أكل بالخمس فَلَا يمْنَع، وَلكنه يكون تَارِكًا للسّنة إِلَّا عِنْد الضَّرُورَة فَافْهَم. (باب لعق الأصابع ومصها قبل أن تمسح بالمنديل)

- فتح الباری میں ہے:

وقع في حديث كعب بن عجرة عند الطبراني في «الأوسط» صفة لعق الأصابع ولفظه: رأيت رسول الله ﷺ يأكل بأصابعه الثلاث بالإبهام والتي تليها والوسطى، ثم رأيته يلعق أصابعه الثلاث قبل أن يمسحها الوسطى ثم التي تليها ثم الإبهام. قال شيخنا في «شرح الترمذي»: كأن السر فيه أن الوسطى أكثر تلويثًا؛ لأنها أطول فيبقى فيها من الطعام أكثر من غيرها، ولانها لطولها أول ما تنزل في الطعام، ويحتمل أن الذي يلعق يكون بطن كفه إلى جهة وجهه، فإذا ابتدأ بالوسطى انتقل إلى السبابة على جهة يمينه وكذلك الإبهام، والله أعلم. (قوله: باب المضمضة بعد الطعام)

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

15 ربیع الاوّل 1441ھ/13 نومبر 2019

مقالہ نمبر 5:

ٹینکی، حوض اور تالاب کی پاکی ناپاکی کا حکم

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

ٹینکی، حوض اور تالاب کی پاکی ناپاکی کا حکم:

پانی دو طرح کا ہوتا ہے: ٹھہرا پانی اور جاری پانی۔ پھر ٹھہرے پانی کی دو قسمیں ہیں:

- قلیل یعنی کم پانی۔
- کثیر یعنی زیادہ پانی۔

"قلیل پانی" میں کوئی نجاست شامل ہو جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے، چاہے اس میں نجاست کا کوئی اثر یعنی رنگ، بو یا ذائقہ ظاہر ہو یا نہ ہو، جبکہ "کثیر پانی" میں اگر کوئی نجاست شامل ہو جائے تو محض نجاست کے گر جانے سے وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ ناپاک اس وقت ہو گا جب اس میں اس نجاست کا کوئی اثر یعنی رنگ، بو یا ذائقہ ظاہر ہو جائے۔ (رد المحتار مع الدر المختار، درر الحکام، احسن الفتاویٰ، فتاویٰ عثمانی)

قلیل اور کثیر پانی کی وضاحت:

قلیل اور کثیر پانی سے متعلق پاکی ناپاکی کا حکم ذکر کرنے کے بعد یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کون سا پانی قلیل کہلاتا ہے اور کون سا کثیر، تو واضح رہے کہ ہر وہ ٹھہرا پانی [تالاب، حوض، ٹینکی وغیرہ] جس کا رقبہ 100 مربع ذِراع یعنی 225 اسکوائر فٹ یا اس سے زیادہ ہو اس کو "کثیر پانی" کہا جاتا ہے، اور جو اس سے کم ہو تو اُس کو "قلیل پانی" کہا جاتا ہے۔

وضاحت 1: واضح رہے کہ تالاب، حوض اور ٹینکی وغیرہ چاہے گول ہوں، چوکور ہوں، مستطیل ہوں، تکون ہوں یا جیسے بھی ہوں؛ سب کا یہی حکم ہے کہ وہ کثیر پانی تب کہلائے گا جب اس کا اندرونی رقبہ 225 اسکوائر فٹ ہو۔

وضاحت 2: قلیل اور کثیر پانی کی مذکورہ بالا پیمائش میں گہرائی کا اعتبار نہیں، بس اتنی معمولی گہرائی بھی کافی ہے کہ اگر اس سے دونوں ہاتھوں کے ذریعے چلّو بھر کر پانی لیا جائے تو نیچے کی زمین ظاہر نہ ہو، بلکہ اصل اعتبار لمبائی اور چوڑائی کے پھیلاؤ سے حاصل ہونے والے اندرونی رقبے کا ہے کہ اگر وہ 225 اسکوائر فٹ یا اس سے زیادہ

ہو تو یہ ''کثیر پانی'' ہے، لیکن اگر اس سے کم ہو تو وہ ''قلیل پانی'' کہلائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو ٹینکی یا حوض وغیرہ گہرا تو ہو لیکن اس کا رقبہ 225 اسکوائر فٹ سے کم ہو تو وہ قلیل پانی ہی کہلائے گا۔

مفید مشورہ:

ماقبل کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس پانی یعنی تالاب، حوض، ٹینکی وغیرہ کا رقبہ 100 مربع ذِراع یعنی 225 اسکوائر فٹ یا اس سے زیادہ ہو اس کو ''کثیر پانی'' کہا جاتا ہے، اور کثیر پانی میں یہ سہولت ہے کہ جب تک اس میں نجاست کا کوئی اثر یعنی رنگ، بو یا ذائقہ ظاہر نہ ہو تو وہ ناپاک نہیں ہوتا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ٹینکی، حوض یا تالاب وغیرہ بناتے وقت اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ اس کا رقبہ 100 مربع ذِراع یعنی 225 اسکوائر فٹ یا اس سے زیادہ ہو، تاکہ نجاست شامل ہونے کی صورت میں جب اس کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو تو وہ ناپاک ہو جانے سے محفوظ ہو سکے اور پانی کی موجودہ بحرانی صورتحال میں مفید ثابت ہو سکے۔

دَہ دَر دَہ/ عشرہ فی عشرہ کی حقیقت اور مفہوم:

کتبِ فقہ میں ''دہ در دہ'' کی اِصطلاح ٹھہرے ہوئے کثیر پانی کے لیے استعمال ہوتی ہے جس کو ''حوضِ کبیر'' یا ''ماءِ راکد کثیر'' بھی کہا جاتا ہے، اس اصطلاح کے ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ وہ تالاب، ٹینکی یا ٹھہرا ہوا پانی جس کی لمبائی بھی 10 ذِراع ہو اور چوڑائی بھی 10 ذِراع ہو، ان دونوں کو باہم ضرب دینے سے اس کا اندرونی رقبہ 100 مربع یعنی اسکوائر ذراع آئے۔ ذراع شرعی گز کو کہا جاتا ہے جو کہ ڈیڑھ فٹ یعنی 18 اِنچ کا ہوتا ہے، اس لیے فٹ کے حساب سے اگر دیکھا جائے تو 10 ذراع کی موجودہ پیمائش 15 فٹ بنتی ہے، گویا کہ جدید دور کے مطابق ''دہ در دہ'' کا مطلب ہے: ہر وہ تالاب، ٹینکی یا ٹھہرا ہوا پانی جس کی لمبائی بھی 15 فٹ ہو اور چوڑائی بھی 15 فٹ ہو، ان دونوں کو باہمی ضرب دینے سے اس کا اندرونی رقبہ 225 مربع یعنی اسکوائر فٹ آئے گا۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ صرف اُس حوض وغیرہ کے ساتھ خاص ہے جس کی لمبائی اور چوڑائی 15،15 فٹ ہو، بلکہ اس سے مراد ہر وہ ٹھہرا ہوا پانی [تالاب، حوض، ٹینکی وغیرہ] ہے جس کا رقبہ سو مربع ذراع

یعنی 225 اسکوائر فٹ یا اس سے زیادہ ہو، اس کو ''کثیر پانی'' کہا جاتا ہے، اور جو اس سے کم ہو تو اُس کو ''قلیل پانی'' کہا جاتا ہے، چاہے وہ ٹینکی اور تالاب وغیرہ گول ہوں، چوکور ہوں، مستطیل ہوں، تکون ہوں یا جیسے بھی ہوں؛ سب کا یہی حکم ہے۔

مختلف نوعیتوں کے تالاب، ٹینکی اور حوض کو ناپنے کے طریقے

ماقبل میں مذکور مسئلے کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس ٹھہرے ہوئے پانی، حوض، تالاب یا ٹینکی کا رقبہ معلوم ہو، لیکن بہت سے حضرات کو رقبہ معلوم کرنے کا طریقہ ہی معلوم نہیں ہوتا، اس لیے ان کے لیے مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں، ذیل میں مختلف نوعیت کے حوض، ٹینکی اور تالاب کا رقبہ معلوم کرنے کا طریقہ لکھا جاتا ہے تاکہ سہولت رہے۔

مربع حوض، ٹینکی وغیرہ کا رقبہ معلوم کرنے کا طریقہ:

مربع اور چکور حوض، ٹینکی وغیرہ کا اندرونی رقبہ معلوم کرنے کا طریقہ نہایت ہی آسان ہے کہ اس کی لمبائی یعنی طول کو چوڑائی یعنی عرض سے ضرب دے دیا جائے، جو جواب آئے تو وہی اس کا اندرونی رقبہ ہے۔ جس کی ایک مثال ماقبل میں ذکر ہو چکی ہے۔

گول حوض، ٹینکی وغیرہ کا رقبہ معلوم کرنے کا طریقہ:

گول حوض، ٹینکی وغیرہ کا اندرونی رقبہ معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے نصف قُطر کو اس کی نصف گولائی سے ضرب دے دیا جائے، جو جواب آئے تو وہی اس کا اندرونی رقبہ ہے۔ گول چیز کے درمیان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک کے فاصلے کو قُطر کہا جاتا ہے۔

علامہ شامی صاحب رحمہ اللہ کی ذکر کردہ گول حوض کی ایک پیمائش:

علامہ شامی صاحب رحمہ اللہ نے گول حوض کی پیمائش ذکر فرمائی ہے جس کے مطابق جس گول حوض

کی گولائی 36 ذراع یعنی 54 فٹ ہو اور اس کا قُطر 11.2 ذراع یعنی 16.8 فٹ ہو تو اس کا رقبہ تقریباً 100 مربع ذراع یعنی 225 اسکوائر فٹ آسکتا ہے، وہ اس طرح کہ مذکورہ بالا اصول کے مطابق اس حوض کی گولائی کا آدھا لیا جائے جو کہ 18 ذراع یعنی 27 فٹ بنتا ہے، اور اس گول حوض کے قُطر کا آدھا لیا جائے جو کہ 5.6 ذراع یعنی 8.4 فٹ بنتا ہے، پھر گولائی کے آدھے کو قُطر کے آدھے سے ضرب دیا جائے تو اس کا اندرونی رقبہ 100.8 مربع ذراع یعنی 226.8 اسکوائر فٹ آئے گا۔ اس کی پیمائش معمولی سی زیادہ آرہی ہے جس سے خاص فرق نہیں پڑتا۔

تکون حوض، ٹینکی وغیرہ کا رقبہ معلوم کرنے کا طریقہ:

تکون حوض، ٹینکی وغیرہ کی متعدد صورتیں ہیں اور ہر صورت کا اندرونی رقبہ معلوم کرنے کا طریقہ عموماً مختلف ہے جیسا کہ ریاضی سے واقف حضرات جانتے ہیں، اس لیے تکون کی ایک صورت ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، جس تکون کے تینوں اطراف برابر ہوں اس کا اندرونی رقبہ معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے اس کی ایک جانب کی پیمائش کرکے اس کو اپنے ہی سے ضرب دیا جائے، جو جواب آئے اُس کا ایک تو دسواں حصہ نکالیں اور ایک تیسرا حصہ، پھر اس دسویں اور تیسرے حصے کو جمع کر دیا جائے، جو جواب آئے تو وہی اس کا اندرونی رقبہ ہے۔

علامہ شامی صاحب رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تکون حوض کی ایک پیمائش:

علامہ شامی صاحب رحمہ اللہ نے مذکورہ تکون حوض کی پیمائش ذکر فرمائی ہے جس کے مطابق مذکورہ تکون حوض کا رقبہ 225 اسکوائر فٹ یا 100 مربع ذراع اس صورت میں آسکتا ہے جب اس کا ہر جانب 15.2 ذراع ہو، اس کا اندرونی رقبہ معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی ایک جانب کی پیمائش کرلی جائے جو کہ 15.2 ذراع آئے گی، پھر اس کو اپنے ہی سے ضرب دیا جائے کہ 15.2 ذراع کو 15.2 ذراع سے ضرب دیا جائے، تو جواب 231.04 ذراع آئے گا، پھر انھی کا دسواں اور تیسرا حصہ معلوم کرنے کے لیے ان کو 10 اور 3 سے الگ الگ تقسیم کریں گے تو ان کا دسواں حصہ 23.104 ذراع آئے گا جبکہ تیسرا حصہ 77.013 ذراع آئے گا، پھر اس

دسویں حصے کو تیسرے حصے میں جمع کیا جائے تو جواب 100.117 ذراع آئے گا جو کہ اندرونی رقبہ ہے۔

فٹ کے حساب سے مذکورہ تکون حوض کا رقبہ 225 اسکوائر فٹ اس صورت میں آسکتا ہے جب اس کا ہر جانب 22.8 فٹ ہو، اس کا اندرونی رقبہ معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی ایک جانب کی پیمائش کرلی جائے جو کہ 22.8 فٹ آئے گی، پھر اس کو اپنے ہی سے ضرب دیا جائے کہ 22.8 فٹ کو 22.8 فٹ سے ضرب دیا جائے، تو جواب 519.84 فٹ آئے گا، پھر انھی کا دسواں اور تیسرا حصہ معلوم کرنے کے لیے ان کو 10 اور 3 سے الگ الگ تقسیم کریں گے تو ان کا دسواں حصہ 51.984 فٹ آئے گا جبکہ تیسرا حصہ 173.28 فٹ آئے گا، پھر اس دسویں حصے کو تیسرے حصے میں جمع کیا جائے تو جواب 225.264 فٹ آئے گا جو کہ اندرونی رقبہ ہے۔ اس کی پیمائش بھی معمولی سی زیادہ آرہی ہے جس سے خاص فرق نہیں پڑتا۔

فائدہ: حوض، تالاب اور ٹینکی سمیت ہر ٹھہرے ہوئے پانی کا اندرونی رقبہ معلوم کرنے کے لیے پیمائش کے جو طریقے بیان ہوئے یہ کوئی لازم اور مخصوص نہیں ہیں بلکہ اگر ان کے علاوہ دیگر جدید حسابی فارمولوں کی مدد سے اندرونی رقبہ معلوم ہوسکتا ہے تو اسی کو اختیار کرلیا جائے جس میں سہولت ہو۔

وضاحت: ماقبل کی تفصیل میں کثیر پانی سے متعلق دہ دردہ کا قول اختیار کیا گیا ہے جس پر متعدد فقہاء متأخرین اور حضرات اکابر کا فتوی ہے اور اس میں عوام کے لیے بڑی سہولت بھی ہے، دیکھیے: ہدایہ، فتاویٰ قاضی خان، رد المحتار، فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کفایت المفتی، فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ رحیمیہ، فتاویٰ عثمانی۔ مزید تفصیل کے لیے کتبِ فقہ ملاحظہ فرمائیں۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

لَا يَخْفَى أَنَّ الْمُتَأَخِّرِينَ الَّذِينَ أَفْتَوْا بِالْعَشْرِ كَصَاحِبِ «الْهِدَايَةِ» وَقَاضِي خَانْ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَهْلِ التَّرْجِيحِ، هُمْ أَعْلَمُ بِالْمَذْهَبِ مِنَّا فَعَلَيْنَا اتِّبَاعُهُمْ، وَيُؤَيِّدُهُ مَا قَدَّمَهُ الشَّارِحُ فِي رَسْمِ الْمُفْتِي: وَأَمَّا نَحْنُ فَعَلَيْنَا اتِّبَاعُ مَا رَجَّحُوهُ وَمَا صَحَّحُوهُ كَمَا لَوْ أَفْتونَا فِي حَيَاتِهِمْ. (باب المياه)

تنبیہ: مذکورہ بالا تفصیلات کنویں سے متعلق نہیں بلکہ اس کے احکام الگ ہیں۔

تفصیلی عبارات

- الدر المختار:

(وَكَذَا) يَجُوزُ (بِرَاكِدٍ) كَثِيرٍ (كَذَلِكَ) أَيْ وَقَعَ فِيهِ نَجِسٌ لَمْ يُرَ أَثَرُهُ وَلَوْ فِي مَوْضِعِ وُقُوعِ الْمَرْئِيَّةِ، بِهِ يُفْتَى «بَحْرٌ». (وَالْمُعْتَبَرُ) فِي مِقْدَارِ الرَّاكِدِ (أَكْبَرُ رَأْيِ الْمُبْتَلَى بِهِ فِيهِ، فَإِنْ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ عَدَمُ خُلُوصِ) أَيْ وُصُولِ (النَّجَاسَةِ إِلَى الْجَانِبِ الْآخَرِ جَازَ وَإِلَّا لَا) هَذَا ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ عَنِ الْإِمَامِ، وَإِلَيْهِ رَجَعَ مُحَمَّدٌ، وَهُوَ الْأَصَحُّ كَمَا فِي «الْغَايَةِ» وَغَيْرِهَا، وَحَقَّقَ فِي «الْبَحْرِ» أَنَّهُ الْمَذْهَبُ، وَبِهِ يُعْمَلُ، وَأَنَّ التَّقْدِيرَ بِعَشْرٍ فِي عَشْرٍ لَا يَرْجِعُ إِلَى أَصْلٍ يُعْتَمَدُ عَلَيْهِ، وَرُدَّ مَا أَجَابَ بِهِ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ، لَكِنْ فِي «النَّهْرِ»: وَأَنْتَ خَبِيرٌ بِأَنَّ اعْتِبَارَ الْعَشْرِ أَضْبَطُ وَلَا سِيَّمَا فِي حَقِّ مَنْ لَا رَأْيَ لَهُ مِنَ الْعَوَامِّ، فَلِذَا أَفْتَى بِهِ الْمُتَأَخِّرُونَ الْأَعْلَامُ: أَيْ فِي الْمُرَبَّعِ بِأَرْبَعِينَ، وَفِي الْمُدَوَّرِ بِسِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ، وَفِي الْمُثَلَّثِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ خَمْسَةَ عَشَرَ وَرُبُعًا وَخُمُسًا بِذِرَاعِ الْكِرْبَاسِ، وَلَوْ لَهُ طُولٌ لَا عَرْضٌ لَكِنَّهُ يَبْلُغُ عَشْرًا فِي عَشْرٍ جَازَ تَيْسِيرًا....

- رد المحتار:

(قَوْلُهُ: وَكَذَا يَجُوزُ) أَيْ رَفْعُ الْحَدَثِ. (قَوْلُهُ: بِرَاكِدٍ) الرُّكُودُ: السُّكُونُ وَالثَّبَاتُ «قَامُوسٌ». (قَوْلُهُ: أَيْ وَقَعَ نَجِسٌ إلَخْ) شَمِلَ مَا لَوْ كَانَ النَّجِسُ غَالِبًا، وَلِذَا قَالَ فِي «الْخُلَاصَةِ»: الْمَاءُ النَّجِسُ إِذَا دَخَلَ الْحَوْضَ الْكَبِيرَ لَا يَنْجُسُ الْحَوْضُ وَإِنْ كَانَ النَّجِسُ غَالِبًا عَلَى مَاءِ الْحَوْضِ؛ لِأَنَّهُ كُلَّمَا اتَّصَلَ الْمَاءُ بِالْحَوْضِ صَارَ مَاءُ الْحَوْضِ غَالِبًا عَلَيْهِ. اهـ (قَوْلُهُ: لَمْ يُرَ أَثَرُهُ) أَيْ مِنْ طَعْمٍ أَوْ لَوْنٍ أَوْ رِيحٍ، وَهَذَا الْقَيْدُ لَا بُدَّ مِنْهُ وَإِنْ لَمْ يُذْكَرْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْمَسَائِلِ الْآتِيَةِ فَلَا تَغْفُلْ عَنْهُ، وَقَدَّمْنَا أَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْأَثَرِ أَثَرُ النَّجَاسَةِ نَفْسِهَا دُونَ مَا خَالَطَهَا كَخَلٍّ وَنَحْوِهِ. (قَوْلُهُ: بِهِ يُفْتَى) أَيْ بِعَدَمِ الْفَرْقِ بَيْنَ الْمَرْئِيَّةِ وَغَيْرِهَا، وَعَزَاهُ فِي «الْبَحْرِ» إِلَى «شَرْحِ الْمُنْيَةِ» عَنِ «النِّصَابِ»، وَأَرَادَ بِـ«شَرْحِ الْمُنْيَةِ» «الْحَلْبَةَ» لِابْنِ أَمِيرِ الْحَاجِّ، وَقَدْ ذَكَرَ عِبَارَةَ «النِّصَابِ» فِي مَسْأَلَةِ الْمَاءِ الْجَارِي لَا هُنَا، عَلَى أَنَّهُ يُشْكِلُ عَلَيْهِ مَا فِي «شَرْحِ الْمُنْيَةِ» لِلْحَلَبِيِّ عَنِ «الْخُلَاصَةِ» أَنَّهُ فِي

الْمَرْئِيَّةِ يَنْجُسُ مَوْضِعُ الْوُقُوعِ بِالْإِجْمَاعِ، وَأَمَّا فِي غَيْرِهَا فَقِيلَ كَذَلِكَ، وَقِيلَ لَا. اهـ. وَمِثْلُهُ فِي «الْحِلْيَةِ»، وَكَذَا «الْبَدَائِعُ»، لَكِنْ عَبَّرَ بِظَاهِرِ الرِّوَايَةِ بَدَلَ الْإِجْمَاعِ قَالَ: وَمَعْنَاهُ أَنْ يَتْرُكَ مِنْ مَوْضِعِ النَّجَاسَةِ قَدْرَ الْحَوْضِ الصَّغِيرِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ اهـ: وَقَدَّرَهُ فِي «الْكِفَايَةِ» بِأَرْبَعَةِ أَذْرُعٍ فِي مِثْلِهَا. وَقِيلَ: يَتَحَرَّى، فَإِنْ وَقَعَ تَحَرِّيهِ أَنَّ النَّجَاسَةَ لَمْ تَخْلُصْ إِلَى هَذَا الْمَوْضِعِ تَوَضَّأَ مِنْهُ. قَالَ فِي «الْحِلْيَةِ»: قُلْت هُوَ الْأَصَحُّ اهـ وَكَذَا جَزَمَ فِي «الْخَانِيَّةِ» بِتَنَجُّسِ مَوْضِعِ الْمَرْئِيَّةِ بِلَا نَقْلِ خِلَافٍ، ثُمَّ نَقَلَ الْقَوْلَيْنِ فِي غَيْرِ الْمَرْئِيَّةِ، وَصَحَّحَ فِي «الْمَبْسُوطِ» أَوَّلَهُمَا، وَصَحَّحَ فِي «الْبَدَائِعِ» وَغَيْرِهَا ثَانِيَهُمَا، نَعَمْ قَالَ فِي «الْخَزَائِنِ»: وَالْفَتْوَى عَلَى عَدَمِ التَّنَجُّسِ مُطْلَقًا إلَّا بِالتَّغَيُّرِ بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ الْمَرْئِيَّةِ وَغَيْرِهَا؛ لِعُمُومِ الْبَلْوَى، حَتَّى قَالُوا: يَجُوزُ الْوُضُوءُ مِنْ مَوْضِعِ الِاسْتِنْجَاءِ قَبْلَ التَّحَرُّكِ كَمَا فِي الْمِعْرَاجِ عَنِ «الْمُجْتَبَى». اهـ. وَقَالَ فِي «الْفَتْحِ»: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ كَالْجَارِي لَا يَتَنَجَّسُ إلَّا بِالتَّغَيُّرِ، وَهُوَ الَّذِي يَنْبَغِي تَصْحِيحُهُ، فَيَنْبَغِي عَدَمُ الْفَرْقِ بَيْنَ الْمَرْئِيَّةِ وَغَيْرِهَا؛ لِأَنَّ الدَّلِيلَ إنَّمَا يَقْتَضِي عِنْدَ الْكَثْرَةِ عَدَمَ التَّنَجُّسِ إلَّا بِالتَّغَيُّرِ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ. اهـ. فَقَدْ ظَهَرَ أَنَّ مَا ذَكَرَهُ الشَّارِحُ مَبْنِيٌّ عَلَى ظَاهِرِ هَذِهِ الرِّوَايَةِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ حَيْثُ جَعَلَهُ كَالْجَارِي، وَقَدَّمْنَا عَنْهُ أَنَّهُ أُعْتُبِرَ فِي الْجَارِي ظُهُورُ الْأَثَرِ مُطْلَقًا، وَأَنَّهُ ظَاهِرُ الْمُتُونِ وَكَذَا قَالَ فِي «الْكَنْزِ» هُنَا، وَهُوَ كَالْجَارِي، وَمِثْلُهُ فِي «الْمُلْتَقَى». وَظَاهِرُهُ اخْتِيَارُ هَذِهِ الرِّوَايَةِ؛ فَلِذَا اخْتَارَهَا فِي «الْفَتْحِ» وَاسْتَحْسَنَهَا فِي «الْحِلْيَةِ»؛ لِمُوَافَقَتِهَا لِمَا مَرَّ عَنْهُ فِي الْجَارِي. قَالَ: وَيَشْهَدُ لَهُ مَا فِي «سُنَنِ ابْنِ مَاجَهْ» عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: انْتَهَيْت إلَى غَدِيرٍ فَإِذَا فِيهِ حِمَارٌ مَيِّتٌ فَكَفَفْنَا عَنْهُ حَتَّى انْتَهَى إلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «إنَّ الْمَاءَ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ»، فَاسْتَقَيْنَا وَأَرْوَيْنَا وَحَمَلْنَا. اهـ وَهَذَا وَارِدٌ عَلَى نَقْلِ الْإِجْمَاعِ السَّابِقِ، وَاللهُ أَعْلَمُ. (قَوْلُهُ: فِي مِقْدَارِ الرَّاكِدِ) يُغْنِي عَنْهُ قَوْلُ الْمُصَنِّفِ فِيهِ الْمُتَعَلِّقُ بِالْمُعْتَبَرِ، فَالْأَوْلَى ذِكْرُهُ بَعْدَهُ تَفْسِيرًا لِمَرْجِعِ الضَّمِيرِ. (قَوْلُهُ: أَكْبَرُ رَأْيِ الْمُبْتَلَى بِهِ) أَيْ غَلَبَةُ ظَنِّهِ؛ لِأَنَّهَا فِي حُكْمِ الْيَقِينِ، وَالْأَوْلَى حَذْفُ أَكْبَرُ لِيَظْهَرَ التَّفْصِيلُ بَعْدَهُ ط. (قَوْلُهُ: وَإِلَّا لَا) صَادِقٌ بِمَا إذَا غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ الْخُلُوصُ أَوْ اشْتَبَهَ عَلَيْهِ الْأَمْرَانِ، لَكِنَّ الثَّانِيَ غَيْرُ مُرَادٍ؛ لِمَا فِي «التَّتَارْخَانِيَّةِ»: وَإِذَا اشْتَبَهَ الْخُلُوصُ فَهُوَ كَمَا إذَا لَمْ يَخْلُصْ اهـ فَافْهَمْ.

(قَوْلُهُ: وَإِلَيْهِ رَجَعَ مُحَمَّدٌ) أَيْ بَعْدَمَا قَالَ بِتَقْدِيرِهِ بِعَشْرٍ فِي عَشْرٍ، ثُمَّ قَالَ: لَا أُوَقِّتُ شَيْئًا كَمَا نَقَلَهُ الْأَئِمَّةُ الثِّقَاتُ عَنْهُ، «بَحْرٌ». (قَوْلُهُ: وَهُوَ الْأَصَحُّ) زَادَ فِي «الْفَتْحِ»: وَهُوَ الْأَلْيَقُ بِأَصْلِ أَبِي حَنِيفَةَ: أَعْنِي عَدَمَ التَّحَكُّمِ بِتَقْدِيرٍ فِيمَا لَمْ يَرِدْ فِيهِ تَقْدِيرٌ شَرْعِيٌّ، وَالتَّفْوِيضُ فِيهِ إِلَى رَأْيِ الْمُبْتَلَى، بِنَاءً عَلَى عَدَمِ صِحَّةِ ثُبُوتِ تَقْدِيرِهِ شَرْعًا. اهـ .... (قَوْلُهُ: وَحَقَّقَ فِي «الْبَحْرِ» أَنَّهُ الْمَذْهَبُ) أَيِ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَئِمَّتِنَا الثَّلَاثَةِ وَأَكْثَرَ مِنَ النُّقُولِ الصَّرِيحَةِ فِي ذَلِكَ: أَيْ فِي أَنَّ ظَاهِرَ الرِّوَايَةِ عَنْ أَئِمَّتِنَا الثَّلَاثَةِ تَفْوِيضُ الْخُلُوصِ إِلَى رَأْيِ الْمُبْتَلَى بِهِ بِلَا تَقْدِيرٍ بِشَيْءٍ، ثُمَّ قَالَ: وَعَلَى تَقْدِيرِ عَدَمِ رُجُوعِ مُحَمَّدٍ عَنْ تَقْدِيرِهِ بِعَشْرٍ فِي عَشْرٍ لَا يَسْتَلْزِمُ تَقْدِيرَهُ إِلَّا فِي نَظَرِهِ، وَهُوَ لَا يَلْزَمُ غَيْرَهُ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا وَجَبَ كَوْنُهُ مَا اسْتَكْثَرَهُ الْمُبْتَلَى فَاسْتِكْثَارُ وَاحِدٍ لَا يَلْزَمُ غَيْرَهُ، بَلْ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ مَا يَقَعُ فِي قَلْبِ كُلٍّ، وَلَيْسَ هَذَا مِنَ الصُّوَرِ الَّتِي يَجِبُ فِيهَا عَلَى الْعَامِّيِّ تَقْلِيدُ الْمُجْتَهِدِ ذَكَرَهُ الْكَمَالُ ..... (قَوْلُهُ: لَكِنْ فِي «النَّهْرِ» إلَخْ) قَدْ تَعَرَّضَ لِهَذَا فِي «الْبَحْرِ» أَيْضًا، ثُمَّ رَدَّهُ بِأَنَّهُ إِنَّمَا يُعْمَلُ بِمَا صَحَّ مِنَ الْمَذْهَبِ لَا بِفَتْوَى الْمَشَايِخِ، وَالْوَجْهُ مَعَ صَاحِبِ «الْبَحْرِ». وَإِذَا اطَّلَعْت عَلَى كَلَامِهَا جَزَمْت بِذَلِكَ، أَفَادَهُ ط. أَقُولُ: وَهُوَ الَّذِي حُطَّ عَلَيْهِ كَلَامُ الْمُحَقِّقِ ابْنِ الْهُمَامِ وَتِلْمِيذِهِ الْعَلَّامَةِ ابْنِ أَمِيرِ الْحَاجِّ، لَكِنْ ذَكَرَ بَعْضُ الْمُحَشِّينَ عَنْ شَيْخِ الْإِسْلَامِ الْعَلَّامَةِ سَعْدِ الدِّينِ الدِّيرِيِّ فِي رِسَالَتِهِ «الْقَوْلُ الرَّاقِي فِي حُكْمِ مَاءِ الْفَسَاقِي» أَنَّهُ حَقَّقَ فِيهَا مَا اخْتَارَهُ أَصْحَابُ الْمُتُونِ مِنْ اعْتِبَارِ الْعَشْرِ وَرَدَّ فِيهَا عَلَى مَنْ قَالَ بِخِلَافِهِ رَدًّا بَلِيغًا، وَأَوْرَدَ نَحْوَ مِائَةِ نَقْلٍ نَاطِقَةٍ بِالصَّوَابِ إِلَى أَنْ قَالَ:

وَإِذَا كُنْت فِي الْمَدَارِكِ غُـرًّا ... ثُمَّ أَبْصَرْت حَاذِقًا لَا تُمَارِي
وَإِذَا لَمْ تَرَ الْهِــلَالَ فَسَلِّمْ ... لِأُنَــاسٍ رَأَوْهُ بِالْأَبْصَــارِ

لَا يَخْفَى أَنَّ الْمُتَأَخِّرِينَ الَّذِينَ أَفْتَوْا بِالْعَشْرِ كَصَاحِبِ «الْهِدَايَةِ» وَقَاضِي خَانْ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَهْلِ التَّرْجِيحِ هُمْ أَعْلَمُ بِالْمَذْهَبِ مِنَّا فَعَلَيْنَا اتِّبَاعُهُمْ، وَيُؤَيِّدُهُ مَا قَدَّمَهُ الشَّارِحُ فِي رَسْمِ الْمُفْتِي: وَأَمَّا نَحْنُ فَعَلَيْنَا اتِّبَاعُ مَا رَجَّحُوهُ وَمَا صَحَّحُوهُ، كَمَا لَوْ أَفْتَوْنَا فِي حَيَاتِهِمْ. (قَوْلُهُ: أَيْ فِي الْمُرَبَّعِ إلَخْ) أَشَارَ إِلَى أَنَّ الْمُرَادَ مِنْ اعْتِبَارِ الْعَشْرِ فِي الْعَشْرِ مَا يَكُونُ وَجْهُهُ مِائَةَ ذِرَاعٍ سَوَاءٌ كَانَ

مُرَبَّعًا، وَهُوَ مَا يَكُونُ كُلُّ جَانِبٍ مِنْ جَوَانِبِهِ عَشَرَةً وَحَوْلَ الْمَاءِ أَرْبَعُونَ وَوَجْهُهُ مِائَةٌ، أَوْ كَانَ مُدَوَّرًا أَوْ مُثَلَّثًا، فَإِنَّ كُلًّا مِنَ الْمُدَوَّرِ وَالْمُثَلَّثِ إِذَا كَانَ عَلَى الْوَصْفِ الَّذِي ذَكَرَهُ الشَّارِحُ يَكُونُ وَجْهُهُ مِائَةً، وَإِذَا رَبَّعَ يَكُونُ عَشْرًا فِي عَشْرٍ فَافْهَمْ. (قَوْلُهُ: وَفِي الْمُدَوَّرِ بِسِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ) أَيْ بِأَنْ يَكُونَ دَوْرُهُ سِتَّةً وَثَلَاثِينَ ذِرَاعًا وَقُطْرُهُ أَحَدَ عَشَرَ ذِرَاعًا وَخُمُسَ ذِرَاعٍ، وَمِسَاحَتُهُ أَنْ تَضْرِبَ نِصْفَ الْقُطْرِ وَهُوَ خَمْسَةٌ وَنِصْفٌ وَعُشْرٌ فِي نِصْفِ الدَّوْرِ وَهُوَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ يَكُونُ مِائَةَ ذِرَاعٍ وَأَرْبَعَةَ أَخْمَاسِ ذِرَاعٍ. اهـ «سِرَاجٌ»، وَمَا ذَكَرَهُ هُوَ أَحَدُ أَقْوَالٍ خَمْسَةٍ. وَفِي «الدُّرَرِ» عَنِ «الظَّهِيرِيَّةِ»: هُوَ الصَّحِيحُ، وَهُوَ مُبَرْهَنٌ عَلَيْهِ عِنْدَ الْحِسَابِ. وَلِلْعَلَّامَةِ الشُّرُنْبُلَالِيِّ رِسَالَةٌ سَمَّاهَا «الزَّهْرَ النَّضِيرَ عَلَى الْحَوْضِ الْمُسْتَدِيرِ» أَوْضَحَ فِيهَا الْبُرْهَانَ الْمَذْكُورَ مَعَ رَدِّ بَقِيَّةِ الْأَقْوَالِ، وَلَخَّصَ ذَلِكَ فِي حَاشِيَتِهِ عَلَى «الدُّرَرِ». (قَوْلُهُ: وَرُبُعًا وَخُمُسًا) فِي بَعْضِ النُّسَخِ أَوْ خُمُسًا بِـ«أَوْ» لَا بِالْوَاوِ، وَهِيَ الْأَصْوَبُ بِنَاءً عَلَى الِاخْتِلَافِ فِي التَّعْبِيرِ، فَإِنَّ بَعْضَهُمْ كَنُوحٍ أَفَنْدِي عَبَّرَ بِالرُّبُعِ وَبَعْضُهُمْ كالشرنبلالي فِي رِسَالَتِهِ عَبَّرَ بِالْخُمُسِ، وَهُوَ الَّذِي مَشَى عَلَيْهِ فِي «السِّرَاجِ» حَيْثُ قَالَ: فَإِنْ كَانَ مُثَلَّثًا فَإِنَّهُ يُعْتَبَرُ أَنْ يَكُونَ كُلُّ جَانِبٍ مِنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ ذِرَاعًا وَخُمُسَ ذِرَاعٍ حَتَّى تَبْلُغَ مِسَاحَتُهُ مِائَةَ ذِرَاعٍ، بِأَنْ تَضْرِبَ أَحَدَ جَوَانِبِهِ فِي نَفْسِهِ، فَمَا صَحَّ أَخَذْتَ ثُلُثَهُ وَعُشْرَهُ فَهُوَ مِسَاحَتُهُ. بَيَانُهُ أَنْ تَضْرِبَ خَمْسَةَ عَشَرَ وَخُمُسًا فِي نَفْسِهِ يَكُونُ مِائَتَيْنِ وَإِحْدَى وَثَلَاثِينَ وَجُزْءًا مِنْ خَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا مِنْ ذِرَاعٍ، فَثُلُثُهُ عَلَى التَّقْرِيبِ سَبْعَةٌ وَسَبْعُونَ ذِرَاعًا، وَعُشْرُهُ عَلَى التَّقْرِيبِ ثَلَاثَةٌ وَعِشْرُونَ فَذَلِكَ مِائَةُ ذِرَاعٍ وَشَيْءٌ قَلِيلٌ لَا يَبْلُغُ عُشْرَ ذِرَاعٍ. اهـ. أَقُولُ: وَعَلَى التَّعْبِيرِ بِالرُّبُعِ يَبْلُغُ ذَلِكَ الشَّيْءُ الْقَلِيلُ نَحْوَ رُبُعِ ذِرَاعٍ فَالتَّعْبِيرُ بِالْخُمُسِ أَوْلَى كَمَا لَا يَخْفَى فَكَانَ يَنْبَغِي لِلشَّارِحِ الِاقْتِصَارُ عَلَيْهِ فَافْهَمْ. (قَوْلُهُ: بِذِرَاعِ الْكِرْبَاسِ) بِالْكَسْرِ: أَيْ ثِيَابِ الْقُطْنِ، وَيَأْتِي مِقْدَارُهُ.

[تَنْبِيهٌ]: لَمْ يَذْكُرْ مِقْدَارَ الْعُمْقِ إِشَارَةً إِلَى أَنَّهُ لَا تَقْدِيرَ فِيهِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ «بَدَائِعُ»، وَصَحَّحَ فِي «الْهِدَايَةِ» أَنْ يَكُونَ بِحَالٍ لَا يَنْحَسِرُ بِالِاغْتِرَافِ: أَيْ لَا يَنْكَشِفُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى «مِعْرَاجٌ». وَفِي «الْبَحْرِ» الْأَوَّلُ أَوْجَهُ، لِمَا عُرِفَ مِنْ أَصْلِ أَبِي حَنِيفَةَ اهـ وَقِيلَ: أَرْبَعُ

أَصَابِعَ مَفْتُوحَةٍ، وَقِيلَ: مَا بَلَغَ الْكَعْبَ، وَقِيلَ: شِبْرٌ، وَقِيلَ: ذِرَاعٌ، وَقِيلَ: ذِرَاعَانِ «قُهُسْتَانِيٌّ».
(قَوْلُهُ: لَكِنَّهُ يَبْلُغُ إلَخْ) كَأَنْ يَكُونَ طُولُهُ خَمْسِينَ وَعَرْضُهُ ذِرَاعَيْنِ مَثَلًا فَإِنَّهُ لَوْ رَبَّعَ صَارَ عَشْرًا فِي عَشْرٍ. (باب المياه)

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
22 ربیع الاوّل 1441ھ/20 نومبر 2019

مقالہ نمبر 6:

بچوں کو مسجد لانے اور ان کی صف بنانے سے متعلق احکام

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

بچوں کی تربیت کی ضرورت:

بچے کسی بھی معاشرے بلکہ ملک وملت کا مستقبل ہوا کرتے ہیں، انہی پر معاشرے اور ملک کے مستقبل کا دارو مدار ہوا کرتا ہے، ان کی بہتر تعلیم وتربیت سے ایک بہترین اور مثالی معاشرہ وجود میں آتا ہے، جبکہ ان کی تعلیم وتربیت سے غفلت کے نتیجے میں معاشرہ جہالت اور طرح طرح کی اخلاقی برائیوں کا شکار ہو کر تباہی کے دہانے پہ جا کھڑا ہوتا ہے، پھر ظاہر ہے کہ معاشرے کی اس زبوں حالی کے واحد ذمہ دار ہم خود ہی ہوتے ہیں۔

ہماری ذمہ داری:

اس نازک صورتحال میں تمام والدین، تعلیمی اداروں کے ذمہ داران، اساتذہ کرام، ائمہ مساجد اور معاشرے کے سنجیدہ افراد سے انتہائی دردمندانہ گزارش ہے کہ گھر سے لے کر بازار تک اور مسجد سے لے کر تعلیمی اداروں تک؛ ہر جگہ ان بچوں کے لیے بہترین تعلیم وتربیت اور اعلیٰ اخلاق پر مشتمل ایک مثالی ماحول فراہم کرنے کی انتہائی سنجیدہ کوشش کی جائے، اور ان کی بہترین تربیت کے لیے ترجیحی بنیادوں پر غور کیا جائے۔

بچوں کو مسجد لانے کی ضرورت اور اس کا شرعی حکم:

بچوں کے لیے جس طرح گھر، اسکول اور مدرسہ تربیت گاہ ہیں اسی طرح مسجد بھی بچوں کے لیے ایک بہترین تربیت گاہ ہے، جہاں بچوں کو تعلیم وتربیت کے بہترین مواقع میسر آسکتے ہیں، البتہ یہ بات واضح رہے کہ مسجد جہاں بچوں کی ایک تربیت گاہ ہے تو دوسری طرف مسجد ایک مقدس جگہ بھی ہے جس کی وجہ سے اس کے کچھ آداب بھی ہیں، اس لیے بچوں کو مسجد لانے کے معاملے میں دونوں پہلوؤں کو مدّ نظر رکھنا چاہیے تاکہ معاملہ حدود اور اعتدال میں رہے، اگر ان دونوں باتوں کو مدّ نظر نہ رکھا جائے تو اس سے کافی بے اعتدالی پیدا ہوتی ہے، جس سے شریعت کی خلاف ورزی بھی لازم آتی ہے، بچوں کی تربیت کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور مسجد کا تقدس بھی پامال ہوتا ہے۔ اور اسی بے اعتدالی اور شریعت سے بے خبری کا نتیجہ ہے کہ بعض حضرات تو سِرے سے بچوں کے مسجد آنے کے حق میں ہی نہیں، چاہے وہ بچے کسی بھی عمر کے ہوں، جبکہ بعض دیگر حضرات تو ایسے بے

شعور بچوں کو بھی مسجد لے آتے ہیں جن کی خود شریعت ہی اجازت نہیں دیتی، یہ دونوں طرزِ عمل واضح غلطی پر مبنی ہیں، اس لیے بچوں کو مسجد لانے سے متعلق شریعت کا حکم اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

عمر اور شعور کے اعتبار سے بچے دو طرح کے ہوتے ہیں:

1۔ جو بچے اس قدر چھوٹے اور ناسمجھ ہوں کہ مسجد کے تقدس کو ذرا بھی نہیں سمجھتے یا پاکی ناپاکی کا شعور نہیں رکھتے حتی کہ ان کی وجہ سے مسجد کے ناپاک ہونے کا غالب گمان ہو تو ایسے بچوں کو مسجد لانا ہی جائز نہیں، البتہ اگر مسجد کے ناپاک ہونے کا غالب اندیشہ نہ ہو، ان کی وجہ سے مسجد کا تقدس بھی پامال نہ ہوتا ہو اور نہ ہی کسی کی عبادت میں خلل آتا ہو تو ایسی صورت میں انہیں مسجد لانا درست ہے اگرچہ بہتر یہی ہے کہ بلا ضرورت انہیں مسجد نہ لایا جائے۔ (صحیح البخاری، حدیث: ۷۰۷ مع عمدۃ القاری، رد المحتار، فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ دار العلوم زکریا)

2۔ جو بچے پاکی ناپاکی کا شعور رکھتے ہوں اور مسجد میں شور شرابہ بھی نہ کرتے ہوں جو کہ تقریباً سات سال کی عمر میں اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں تو ایسے بچوں کو مسجد لانا بالکل جائز ہے، بلکہ ان کو مسجد لانا بھی چاہیے تاکہ انہیں نماز کی عادت پڑے۔ (رد المحتار، فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ دار العلوم زکریا)

سرپرست حضرات کی ذمہ داری:

بچوں کو مسجد لانے کے بعد ہر سرپرست کو چاہیے کہ وہ اپنے بچے کی نگرانی بھی کرے تاکہ بچے مزید سلیقہ مندی کا مظاہرہ کریں۔ بعض ایسے باشعور بچے ناواقفیت کی بنا پر ابتدا میں شور و شرارت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں اگر ان کو سمجھا دیا جائے تو وہ سمجھ جاتے ہیں، اس لیے ساتھ ساتھ ان کو آدابِ مسجد سے بھی آگاہ کرتے رہنا چاہیے۔

باجماعت نماز میں بچوں کی صف سے متعلق احکام:

جہاں تک ایسے باشعور بچوں کی صف بنانے اور ان کو صف میں کھڑا کرنے کا مسئلہ ہے تو اس حوالے سے

درج ذیل باتوں کا لحاظ رکھا جائے:

1۔ اگر بچے اِکادُکا ہی ہوں تو ان کو بڑوں ہی کی صف میں کھڑا کر دیا جائے، اس سے بڑوں کی نماز پر کچھ اثر نہیں پڑتا، اس حالت میں ان کے پیچھے کھڑے ہونے والے حضرات کی نماز بھی بالکل درست ہے۔ اور اس صورت میں ان کو پہلی صف میں کھڑا کرنا بھی درست ہے البتہ مناسب یہ ہے کہ امام کے قریب کھڑا نہ کیا جائے کیوں کہ امام کے قریب اہلِ علم و فہم افراد کو کھڑا ہونا چاہیے۔ (ردالمحتار، البحرالرائق، فتاویٰ محمودیہ)

2۔ اگر بچے متعدد ہوں تو ایسی صورت میں شریعت کا تقاضا بلکہ سنت بھی یہی ہے کہ ان کو بڑوں کی صفوں میں کھڑا نہ کیا جائے بلکہ ان کے لیے علیحدہ صف بنائی جائے، اور یہ صف بڑوں کی صفوں کے بعد بنائی جائے گی، جس کا طریقہ یہ ہے کہ جماعت شروع ہونے تک بڑوں کی صفیں جہاں تک مکمل ہو جائیں اس کے متصل بعد ہی ان بچوں کی صف بنائی جائے، اس صورت میں اگر بڑوں کی صف میں جگہ موجود بھی ہو تب بھی بچوں کی صف علیحدہ ہی بنائی جائے، پھر بعد میں آنے والے مرد حضرات پہلے اگلی صف مکمل کریں، اگر اگلی صف مکمل کرنے کے لیے ان کو مجبوری میں بچوں کے آگے سے بھی گزرنا پڑے تو یہ بھی جائز ہے۔ پھر اس کے بعد بچوں کی صف میں اگر جگہ خالی ہو تو اس کو پُر کریں، پھر بچوں کی صف کے بعد صف بنائیں۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی بخوبی ذہن نشین کرلی جائے کہ بچوں کی صف کا پیچھے ہونا یہ اس وقت ہے جب جماعت شروع نہ ہوئی ہو، لیکن جب بچے مردوں کی صفوں کے بعد صف بنالیں اور نماز شروع ہو جائے تو ایسی صورت میں بعد میں آنے والے مرد حضرات بچوں کو پیچھے نہ کریں کیوں کہ وہ اپنے صحیح مقام پر کھڑے ہیں، اس صورت میں بڑے حضرات جب بچوں ہی کی صف میں کھڑے ہو جائیں یا وہاں جگہ نہ ہونے کی صورت میں بچوں کی صف کے بعد اپنی صف بنائیں تو اس سے ان کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ یہ بات بھی سمجھنی چاہیے کہ اگر بچے سلیقہ مند نہ ہوں اور ان کی علیحدہ صف بنانے سے ان کے شور و شرارت یا لوگوں کی نماز خراب ہونے کا غالب گمان ہو تو ایسی صورت میں ان کی علیحدہ صف نہ بنائی جائے بلکہ ان کو متفرق طور پر بڑوں ہی کی صفوں میں کھڑا کر دیا جائے۔

(ردالمحتار مع تقریراتِ رافعی، فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ دارالعلوم زکریا، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند)

3۔ صفوں کی یہ ترتیب اسی صورت میں بہتر انداز میں بن سکتی ہے جب جماعت شروع ہونے سے پہلے تمام صفوں کو سیدھا رکھنے کا اہتمام کیا جائے، اور بچوں کی صف کو مردوں کی صفوں کے بعد بنایا جائے۔ اس لیے امام صاحب کو چاہیے کہ وہ مسجد میں آنے والے بچوں کی صف بنانے اور ان کو مناسب مقام پر کھڑا کرنے کا خصوصی اہتمام فرمائیں۔

اہم گزارش:

مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق جو بچے پاکی ناپاکی اور مسجد کا شعور رکھتے ہوں ان کو مسجد لانے کا اہتمام بھی ہونا چاہیے، ان کی حوصلہ افزائی بھی ہونی چاہیے، ان کے لیے مسجد میں تربیت کے دلچسپ سلسلے بھی ہونے چاہیے، ان کو مسجد کے آداب اور صف بنانے کے طریقہ کار سے بھی آگاہ کرتے رہنا چاہیے، ساتھ ساتھ ان کی نگرانی بھی ہونی چاہیے، اس سے رفتہ رفتہ ان میں شعور اور بہتری آتی جائے گی اور ان کی اچھی تربیت ہو سکے گی۔

بچوں سے متعلق افسوس ناک طرزِ عمل:

آجکل افسوس ناک صورتحال یہ ہے کہ متعدد حضرات بچوں کے مسجد آنے اور ان کے صف میں کھڑے ہونے سے متعلق نہایت ہی منفی ذہن رکھتے ہیں بلکہ بعض تو ذرا سی باتوں پر بچوں کو ڈانٹتے ہیں، مسجد سے باہر نکال دیتے ہیں، حتیٰ کہ انھیں بے دردی سے مارتے بھی ہیں، اور صورتحال یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ بچوں سے زیادہ ان حضرات کی وجہ سے مسجد کا تقدس پامال ہو رہا ہوتا ہے اور لوگوں کی عبادات میں خلل بھی آتا ہے، حالاں کہ اگر غور کیا جائے تو اگر کسی بچے نے مسجد میں شور یا شرارت کر بھی لی تو ظاہر ہے کہ اس کو تو گناہ نہیں ملے گا کیوں کہ وہ مکلّف نہیں بلکہ ان کو تو تربیت کی ضرورت ہے، لیکن جو حضرات ان کو اس طرح ڈانٹتے ہیں کہ ان کی آواز اور انداز کی وجہ سے مسجد کا تقدس پامال ہو رہا ہوتا ہے یا لوگوں کی عبادات میں خلل آرہا ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ گناہ کی باتیں ہیں، جن کی طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔ واضح رہے کہ بچے ہماری شفقت کے محتاج ہیں، انھیں تربیت کی ضرورت ہے، انھیں پیار سے سمجھانے کی ضرورت ہے۔ اور اس بات میں بھی دو رائے نہیں ہو سکتی کہ بچوں کو شرارت وغیرہ سے منع کرنے کے لیے حکمت اور بصیرت کی ضرورت ہوا کرتی ہے، اسی حکمت وبصیرت کی کمی کا

ایک اثر یہ بھی ہے کہ بچے ہمارے منع کرنے کا باوجود بھی باز نہیں آتے۔

ایک اہم پہلو:

یہاں یہ پہلو بھی قابلِ ذکر ہے کہ بچپن میں جب بچوں کو مسجد آنے کا شوق ہوتا ہے تو ہم انھیں ڈانٹ کر باہر نکال دیتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ مسجد سے دور ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ جوان ہونے لگتے ہیں تو اس وقت وہ ہماری ترغیب اور خواہش کے باوجود بھی نماز نہیں پڑھتے، ظاہر ہے کہ انھیں مسجد سے دور کرنے میں ہمارے اس نامناسب رویے کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے، مسجد جیسی مقدس تربیت گاہ سے دور ہو جانے کے بعد بہت سے بچوں کو بُری صحبت میسر آجاتی ہے جس کے نتیجے میں وہ نماز جیسی اہم عبادت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ بہر حال ہمیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو جانا چاہیے اور یہ تمام نامناسب رویے اور نظریے تبدیل کر لینے چاہیے۔

ایک اہم فکر انگیز نصیحت:

اسلام دشمن قوتیں بھرپور منصوبہ بندی کے ساتھ مسلمان نوجوانوں میں بے دینی اور کفر والحاد پھیلانے میں مشغول ہیں، جس کے اثرات ہماری نئی نسل کے بہت سے نوجوانوں میں نمایاں ہوتے جا رہے ہیں، جو کہ نہایت ہی افسوس ناک صورتحال ہے، اگر ہم نے اپنی نوجوان نسل کی فکر نہ کی تو اس غفلت کا انجام۔۔ اللہ نہ کرے۔۔ نہایت ہی بھیانک ہوگا۔ اس لیے نوجوان نسل کے دین کی فکر کا تقاضا ہے کہ انھیں مساجد، مدارس اور دینی تربیت گاہوں سے وابستہ رکھا جائے۔ اس لیے باشعور اور سمجھ دار بچوں کو مسجد کی راہ دکھایئے، ان کی حوصلہ افزائی کیجیے، ان کی تربیت کا اہتمام کیجیے اور ان کی تعلیم وتربیت کے لیے مستقل نظام کی فکر کیجیے، جس کی وجہ سے بچے آہستہ آہستہ باشعور ہوتے جائیں گے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: فقہی رسائل از استاد محترم حضرت مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب دام ظلہم۔

تفصیلی عبارات

• في صحيح البخاري:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ أَبِي قَتَادَةَ عَن النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنِّي لَأَقُومُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي؛ كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ».
(بَاب مَنْ أَخَفَّ الصَّلَاةَ عِنْدَ بُكَاءِ الصَّبِيِّ، رقم الحديث: ٧٠٧)

• وفي فيض الباري شرح صحيح البخاري للإمام الكشميري:

قوله: (فأَسْمَعُ بكاء الصبيِّ) يمكن أن يكون الصبيان في بيوتهنَّ ويَسْمَعْنَ بكاءهم من المسجد، أو يكونوا في المسجد مع أمهاتهم. (بَاب مَنْ أَخَفَّ الصَّلَاةَ عِنْدَ بُكَاءِ الصَّبِيِّ)

• وفي عمدة القاري شرح صحيح البخاري للإمام العيني:

استدل به بعضهم على جواز إدخال الصبي في المسجد، وقال بعضهم: فيه نظر؛ لاحتمال أن يكون الصبي كان مخلفا في بيت يقرب من المسجد، قلت: ليس هذا موضع النظر؛ لأن الظاهر أن الصبي لا يفارق أمه غالبا. (بَاب مَنْ أَخَفَّ الصَّلَاةَ عِنْدَ بُكَاءِ الصَّبِيِّ، رقم الحديث: ٧٠٧)

• وفي فتح الباري شرح صحيح البخاري للإمام ابن حجر:

قال ابن رشيد: فهم منه البخاري أن النساء والصبيان الذين ناموا كانوا حضورا في المسجد، وليس الحديث صريحا في ذلك؛ إذ يحتمل أنهم ناموا في البيوت، لكن الصبيان جمع محلى باللام فيعم من كان منهم مع أمه أو غيرها في البيوت ومن كان مع أمه في المسجد، وقد أورد المصنف في الباب الذي يليه حديث أبي قتادة رفعه: «أني لأقوم إلى الصلاة» الحديث، وفيه: «فأسمع بكاء الصبي فأتجوز في صلاتي؛ كراهية أن أشق على أمه»، وقد قدمنا في شرحه في أبواب الجماعة أن الظاهر أن الصبي كان مع أمه في المسجد، وأن احتمال أنها كانت تركته نائما في بيتها وحضرت الصلاة فاستيقظ في غيبتها فبكى بعيد، لكن الظاهر الذي فهمه أن القضاء بالمرئى أولى من القضاء بالمقدر، انتهى. (بَاب مَنْ أَخَفَّ الصَّلَاةَ عِنْدَ بُكَاءِ الصَّبِيِّ)

- وفي الدر المختار:

ويحرم إدخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم، وإلا فيكره.

(كتاب الصلاة: باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

- وفي رد المحتار:

قوله: (ويحرم الخ)؛ لما أخرجه المنذري مرفوعا: «جنبوا مساجدكم صبيانكم، ومجانينكم وبيعكم وشراءكم ورفع أصواتكم وسل سيوفكم وإقامة حدودكم، وجمروها في الجمع، وجعلوا على أبوابها المطاهر». بحر، والمطاهر جمع مطهرة بكسر الميم والفتح لغة، وهو كل إناء يتطهر به كما في «المصباح». والمراد بالحرمة كراهة التحريم؛ لظنية الدليل. وعليه فقوله: «وإلا فيكره» أي تنزيها، تأمل. (كتاب الصلاة باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

- وفي البحر الرائق:

قَوْلُهُ: (وَيَصُفُّ الرِّجَالَ ثُمَّ الصِّبْيَانَ ثُمَّ النِّسَاءُ)؛ لِقَوْلِهِ عليه الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «ليلني مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ والنهى»........ وفي «شَرْحِ مُنْيَةِ الْمُصَلِّي»: الْمَذْكُورُ في عَامَّةِ الْكُتُبِ أَرْبَعَةُ أَقْسَامٍ، قِيلَ: وَلَيْسَ هذا التَّرْتِيبُ لِهَذِهِ الْأَقْسَامِ بِحَاصِرٍ لِجُمْلَةِ الْأَقْسَامِ الْمُمْكِنَةِ فَإِنَّهَا تَنْتَهِي إلَى أثني عَشَرَ قِسْمًا، وَالتَّرْتِيبُ الْحَاصِرُ لها: أَنْ يُقَدَّمَ الْأَحْرَارُ الْبَالِغُونَ ثُمَّ الْأَحْرَارُ الصِّبْيَانُ ثُمَّ الْعَبِيدُ الْبَالِغُونَ ثُمَّ الْعَبِيدُ الصِّبْيَانُ ثُمَّ الْأَحْرَارُ الْخَنَاثَى الْكِبَارُ ثُمَّ الْأَحْرَارُ الْخَنَاثَى الصِّغَارُ ثُمَّ الْأَرِقَّاءُ الْخَنَاثَى الْكِبَارُ ثُمَّ الْأَرِقَّاءُ الْخَنَاثَى الصِّغَارُ ثُمَّ الْحَرَائِرُ الْكِبَارُ ثُمَّ الْحَرَائِرُ الصِّغَارُ ثُمَّ الْإِمَاءُ الْكِبَارُ ثُمَّ الْإِمَاءُ الصِّغَارُ. اه وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ مُتُونًا وَشُرُوحًا تَقْدِيمُ الرِّجَالِ على الصِّبْيَانِ مُطْلَقًا سَوَاءٌ كَانُوا أَحْرَارًا أو عَبِيدًا؛ فإن الصَّبِيَّ الْحُرَّ وَإِنْ كان له شَرَفُ الْحُرِّيَّةِ لَكِنَّ الْمَطْلُوبَ هُنَا قُرْبُ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ بِالْحَدِيثِ السَّابِقِ، نعم يُقَدَّمُ الْبَالِغُ الْحُرُّ على الْبَالِغِ الْعَبْدِ، وَالصَّبِيُّ الْحُرُّ على الصَّبِيِّ الْعَبْدِ، وَالْحُرَّةُ الْبَالِغَةُ على الْأَمَةِ الْبَالِغَةِ، وَالصَّبِيَّةُ الْحُرَّةُ على الصَّبِيَّةِ الْأَمَةِ؛ لِشَرَفِ الْحُرِّيَّةِ من غَيْرِ مُعَارِضٍ. ولم أَرَ صَرِيحًا حُكْمَ ما إذَا صلى وَمَعَهُ رَجُلٌ وَصَبِيٌّ وَإِنْ كان دَاخِلًا تَحْتَ قَوْلِهِ: «وَالِاثْنَانِ خَلْفَهُ»، وَظَاهِرُ حديث أَنَسٍ أَنَّهُ يُسَوِّي بين الرَّجُلِ وَالصَّبِيِّ وَيَكُونَانِ

خَلْفَهُ فإنه قال: فَصَفَفْت أنا وَالْيَتِيمُ وَرَاءَهُ وَالْعَجُوزُ من وَرَائِنَا. وَيَقْتَضِي أَيْضًا أَنَّ الصَّبِيَّ الْوَاحِدَ لَا يَكُونُ مُنْفَرِدًا عن صَفِّ الرِّجَالِ بَلْ يَدْخُلُ في صَفِّهِمْ، وَأَنَّ مَحَلَّ هذا التَّرْتِيبِ إنَّمَا هو عِنْدَ حُضُورِ جَمْعٍ من الرِّجَالِ وَجَمْعٍ من الصِّبْيَانِ فَحِينَئِذٍ تُؤَخَّرُ الصِّبْيَانُ، بِخِلَافِ الْمَرْأَةِ الْوَاحِدَةِ فَإِنَّهَا تَتَأَخَّرُ عن الصُّفُوفِ كَجَمَاعَتِهِنَّ. (كتاب الصلاة باب الإمامة)

- وفي درر الحكام:

ويصف الرجال ثم الصبيان ثم النساء والخنثى المشكل يقوم قدام النساء، والترتيب بين الرجال والصبيان سنة لا فرض، هو الصحيح..... (كتاب الصلاة باب الامامة)

- وفي الدر المختار:

(ثم الصبيان) ظاهره تعددهم، فلو واحدا دخل الصف. (كتاب الصلاة باب الامامة)

- وفي رد المحتار:

قوله: (ولو كان فرجة الخ) «كان» تامة، و«فرجة» فاعلها. قال في «القنية»: قام في آخر الصف في المسجد بينه وبين الصفوف مواضع خالية فللداخل أن يمر بين يديه ليصل الصفوف؛ لأنه أسقط حرمة نفسه فلا يأثم المار بين يديه. دل عليه ما ذكر في «الفردوس» برواية ابن عباس رضي الله تعالى عنهما عن النبي ﷺ أنه قال: «من نظر إلى فرجة في صف فليسدها بنفسه فإن لم يفعل فمر مار فليتخط على رقبته فإنه لا حرمة له» أي فليتخط المار على رقبة من لم يسد الفرجة. اهـ قلت: وليس المراد بالتخطي الوطء على رقبته؛ لأنه قد يؤدي إلى قتله ولا يجوز، بل المراد أن يخطو من فوق رقبته، وإذا كان له ذلك فله أن يمر من بين يديه بالأولى، فافهم.
(كتاب الصلاة باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

25 ربیع الاوّل 1441ھ/23 نومبر 2019

مقالہ نمبر 7:

میاں بیوی میں سے کسی ایک کے انتقال کے بعد دوسرا اُس کو غسل دے سکتا ہے؟

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

میاں بیوی میں سے کسی ایک کے انتقال کے بعد دوسرا اُس کو غسل دے سکتا ہے ؟

احناف کے نزدیک اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو بیوی اس کو غسل دے سکتی ہے، جبکہ بیوی کا انتقال ہو جائے تو شوہر اس کو غسل نہیں دے سکتا اور نہ ہی اس کو چھو سکتا ہے، البتہ دیکھ سکتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر کے انتقال کی صورت میں بیوی عدّت میں ہوتی ہے، اور عدّت میں کسی اور کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہوتا، کیوں کہ بعض وجوہات کی رو سے فوت شدہ شوہر کے ساتھ نکاح باقی رہتا ہے، جبکہ بیوی کے انتقال کی صورت میں دنیوی اعتبار سے بیوی شوہر کے لیے اجنبی ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مرد کے ذمّے عدت نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ بیوی کے انتقال کے بعد کسی بھی وقت نکاح کر سکتا ہے۔

اس تحریر سے احناف کے مذہب سے متعلق غلط فہمی کا اِزالہ مقصود ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ احناف کا مذہب بھی دلائل ہی پر مبنی ہے۔ البتہ اس مسئلہ کی مزید وضاحت درج ذیل ہے۔

زیرِ بحث مسئلے کے دیگر پہلو:

عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحئ عارفی رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب "احکامِ میت" میں ہے:

"1۔ اگر کوئی مرد مر گیا اور مردوں میں سے کوئی نہلانے والا نہیں تو بیوی کے علاوہ کسی عورت کو اس کو غسل دینا جائز نہیں اگرچہ محرم ہی ہو، اگر بیوی بھی نہ ہو تو عورتیں اسے تیمم کرا دیں، غسل نہ دیں، لیکن تیمم کرانے والی عورتیں اگر میت کے لیے غیر محرم ہوں تو اس کے بدن کو ہاتھ نہ لگائیں، بلکہ اپنے ہاتھ میں دستانے پہن کر تیمم کرائیں۔ بہشتی زیور

2۔ کسی کا خاوند مر گیا تو بیوی کو اس کا چہرہ دیکھنا، نہلانا اور کفنانا درست ہے، اور اگر بیوی مر جائے تو شوہر کو اسے نہلانا، اس کا بدن چھونا، اور ہاتھ لگانا درست نہیں، البتہ دیکھنا درست ہے، اور کپڑے کے اوپر سے ہاتھ لگانا اور جنازہ اُٹھانا بھی جائز ہے۔ بہشتی زیور، مسافرِ آخرت"

"میت کے مسائل کا انسائیکلوپیڈیا" (508/1) میں ہے:

"اگر کوئی عورت ایسی جگہ وفات پا جائے جہاں پر کوئی اور دوسری عورت نہیں ہے جو غسل دے سکے اور اس کا محرم (جس سے نکاح حرام ہے) کوئی مرد موجود ہو تو وہ میت کا کہنیوں تک تیمم کرائے۔ اگر محرم نہ ہو تو غیر محرم اجنبی مرد اپنے ہاتھوں پر کپڑا وغیرہ لپیٹ کر اسی طرح تیمم کرا دے، لیکن میت کی کہنیوں پر نظر ڈالنے سے آنکھیں بند رکھے، شوہر کے لیے بھی اجنبی کی مانند حکم ہے، لیکن کہنیوں کے دیکھنے سے آنکھوں کے بند کرنے کا وہ مکلّف نہیں ہوگا۔ یاد رہے کہ اس حکم میں جوان اور عمر رسیدہ دونوں شامل ہیں۔"

ان مسائل سے متعدد غلطیوں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

- فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وَيَجُوزُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تُغَسِّلَ زَوْجَهَا إِذَا لم يَحْدُثْ بَعْدَ مَوْتِهِ ما يُوجِبُ الْبَيْنُونَةَ من تَقْبِيلِ ابْنِ زَوْجِهَا أو أبيه، وَإِنْ حَدَثَ ذلك بَعْدَ مَوْتِهِ لم يَجُزْ لها غُسْلُهُ، وَأَمَّا هو فَلَا يُغَسِّلُهَا عِنْدَنَا كَذَا في «السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ». (الْبَابُ الْحَادِي وَالْعِشْرُونَ في الْجَنَائِزِ: الْفَصْلُ الثَّانِي في الْغُسْلِ)

- الدر المختار میں ہے:

(وَيُمْنَعُ زَوْجُهَا مِنْ غُسْلِهَا وَمَسِّهَا، لَا مِنَ النَّظَرِ إلَيْهَا عَلَى الْأَصَحِّ) «مُنْيَةٌ» .... (وَهِيَ لَا تُمْنَعُ مِنْ ذَلِكَ) وَلَوْ ذِمِّيَّةً بِشَرْطِ بَقَاءِ الزَّوْجِيَّةِ (بِخِلَافِ أُمِّ الْوَلَدِ) وَالْمُدَبَّرَةِ وَالْمُكَاتَبَةِ فَلَا يُغَسِّلُونَهُ وَلَا يُغَسِّلُهُنَّ عَلَى الْمَشْهُورِ، «مُجْتَبَى». (وَالْمُعْتَبَرُ) فِي الزَّوْجِيَّةِ (صَلَاحِيَّتُهَا لِغُسْلِهِ حَالَةَ الْغُسْلِ لَا) حَالَةَ (الْمَوْتِ فَتُمْنَعُ مِنْ غُسْلِهِ لَوْ) بَانَتْ قَبْلَ مَوْتِهِ أَوْ (ارْتَدَّتْ بَعْدَهُ) ثُمَّ أَسْلَمَتْ (أَوْ مَسَّتْ ابْنَهُ بِشَهْوَةٍ) لِزَوَالِ النِّكَاحِ، (وَجَازَ لَهَا) غُسْلُهُ.

- اس کے حاشیہ رد المحتار میں ہے:

(قَوْلُهُ: وَيُمْنَعُ زَوْجُهَا إلَخْ) أَشَارَ إلَى مَا فِي «الْبَحْرِ» مِنْ أَنَّ مِنْ شَرْطِ الْغَاسِلِ أَنْ يَحِلَّ لَهُ النَّظَرُ إلَى الْمَغْسُولِ فَلَا يُغَسِّلُ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ وَبِالْعَكْسِ. اهـ. وَسَيَأْتِي مَا إذَا مَاتَت الْمَرْأَةُ بَيْنَ رِجَالٍ أَوْ

بِالْعَكْسِ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ هَذَا شَرْطٌ لِوُجُوبِ الْغُسْلِ أَوْ لِجَوَازِهِ، لَا لِصِحَّتِهِ. (قَوْلُهُ: لَا مِنَ النَّظَرِ إلَيْهِمَا عَلَى الْأَصَحِّ) عَزَاهُ فِي «الْمِنَحِ» إلَى «الْقُنْيَةِ»، وَنَقَلَ عَنِ «الْخَانِيَّةِ» أَنَّهُ إذَا كَانَ لِلْمَرْأَةِ مَحْرَمٌ يَمَّمَهَا بِيَدِهِ، وَأَمَّا الْأَجْنَبِيُّ فَبِخِرْقَةٍ عَلَى يَدِهِ وَيَغُضُّ بَصَرَهُ عَنْ ذِرَاعِهَا، وَكَذَا الرَّجُلُ فِي امْرَأَتِهِ إلَّا فِي غَضِّ الْبَصَرِ اهـ وَلَعَلَّ وَجْهَهُ أَنَّ النَّظَرَ أَخَفُّ مِنَ الْمَسِّ فَجَازَ لِشُبْهَةِ الِاخْتِلَافِ، وَاللهُ أَعْلَمُ. (بَابُ صَلَاةِ الْجِنَازَةِ)

شوہر کے انتقال کے بعد بیوی اس کو غسل دے سکتی ہے!

اس مسئلے میں جمہور ائمہ مجتہدین کرام کا اتفاق ہے جس کے دلائل درج ذیل ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ثبوت:

1۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عُمَیس رضی اللہ عنہا نے ان کو غسل دیا۔

- موطأ امام مالک میں ہے:

٧٥٣- مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ: أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ امْرَأَةَ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ غَسَلَتْ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ حِينَ تُوُفِّيَ، ثُمَّ خَرَجَتْ، فَسَأَلَتْ مَنْ حَضَرَهَا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ، فَقَالَتْ: إِنِّي صَائِمَةٌ، وَإِنَّ هذَا يَوْمٌ شَدِيدُ الْبَرْدِ، فَهَلْ عَلَيَّ مِنْ غُسْلٍ؟ فَقَالُوا: لَا.

یہی روایت فقیہ مجتہد امام محمد رحمہ اللہ نے ''موطأ امام محمد'' میں حضرت فقیہ مجتہد امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کی اور اس کے بعد فرمایا کہ:

قال محمد: وبهذا نأخذ، لا بأس أن تغسل المرأة زوجها إذا توفي. (كتاب الجنائز)

یعنی ہمارا بھی یہی مذہب ہے کہ شوہر جب انتقال کر جائے تو بیوی اس کو غسل دے سکتی ہے۔

2۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ انتقال کے بعد ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ

عنہاان کو غسل دے گی۔

- مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

١١٠٧٨- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ أَوْصَى أَسْمَاءَ ابنة عُمَيْسٍ أَنْ تُغَسِّلَهُ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ثبوت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ انتقال کے بعد ان کی اہلیہ ان کو غسل دے گی۔

- مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

١١٠٨٠- حَدَّثَنَا وَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ عَنْ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ صَالِحٍ الدَّهَّانِ أَوْ حَيَّانَ الْأَعْرَجِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ أَوْصَى أَنْ تُغَسِّلَهُ امْرَأَتُهُ.

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ثبوت:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو (ان کی وفات کے بعد) ان کی اہلیہ نے غسل دیا۔

- مصنَّف عبد الرزاق میں ہے:

٦١١٩- عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ غَسَّلَتْهُ امْرَأَتُهُ أَسْمَاءُ، وَأَنَّ أَبَا مُوسَى الْأَشْعَرِيَّ غَسَّلَتْهُ امْرَأَتُهُ أُمُّ عَبْدِ اللهِ.

امام عطا تابعی رحمہ اللہ سے ثبوت:

امام عطا تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیوی شوہر (کے انتقال کے بعد اس) کو غسل دے سکتی ہے۔

- مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

١١٠٨٤- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ، عَنْ عَطَاءٍ قَالَ: تُغَسِّلُ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا.

امام سلیمان بن موسیٰ تابعی رحمہ اللہ سے ثبوت:

امام سلیمان بن موسیٰ تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیوی شوہر (کے انتقال کے بعد اس) کو غسل دے سکتی ہے۔

- مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

١١٠٨١- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ بِشْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ مُوسَى يَقُولُ: تُغَسِّلُهُ.

بیوی کے انتقال کے بعد شوہر اس کو غسل نہیں دے سکتا:

احناف کے نزدیک بیوی کے انتقال کے بعد شوہر اس کو غسل نہیں دے سکتا، جس کی تفصیل ماقبل میں ذکر ہو چکی۔ ذیل میں اس کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثبوت:

1۔ امام مسروق تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تو (غسل دینے کے معاملے میں) انھوں نے فرمایا کہ جب یہ زندہ تھی تو میں زیادہ حق دار تھا لیکن اب تم ہی زیادہ حق دار ہو۔

- مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

١١٠٩٤- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ لَيْثٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: مَاتَتِ امْرَأَةٌ لِعُمَرَ فَقَالَ: أَنَا كُنْت أَوْلَى بِهَا إِذَا كَانَتْ حَيَّةً، فَأَمَّا الآنَ فَأَنْتُمْ أَوْلَى بِهَا.

2۔ یہی روایت امام محمد رحمہ اللہ نے "موطأ امام محمد" میں روایت فرمائی اور اس کے بعد فرمایا کہ: وَبِهِ نَأْخُذُ کہ ہمارا بھی یہی مذہب ہے:

٢٣٠- بَلَغَنَا عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: نَحْنُ كُنَّا أَحَقَّ بِهَا إِذَا كَانَتْ حَيَّةً، فَأَمَّا إِذَا مَاتَتْ فَأَنْتُمْ أَحَقُّ بِهَا.

جلیل القدر تابعی امام شعبی رحمہ اللہ سے ثبوت:

جلیل القدر تابعی امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب بیوی کا انتقال ہو جائے تو اس کے اور شوہر کے درمیان جو نکاح کا تعلق تھا تو وہ ختم ہو جاتا ہے، اور بیوی کے انتقال کے بعد شوہر اس کو غسل نہیں دے سکتا۔

- مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

١١٠٩١- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ أَشْعَثَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: إِذَا مَاتَت المَرأة انْقَطَعَ عِصْمَة مَا بَينهَا وَبَين زَوجهَا.

١١٠٩٢- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَمَانٍ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَشْعَثَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: لا يُغَسِّلُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، وَهُوَ رَأْيُ سُفْيَانَ.

حضرت امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے ثبوت:

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شوہر اپنی بیوی (کے انتقال کے بعد اس) کو غسل نہیں دے سکتا، جبکہ بیوی اپنے شوہر (کے انتقال کے بعد اس) کو غسل دے سکتی ہے۔

- مصنف عبد الرزاق میں ہے:

٦١١٩- عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ غَسَّلَتْهُ امْرَأَتُهُ أَسْمَاءُ، وَأَنَّ أَبَا مُوسَى الْأَشْعَرِيَّ غَسَّلَتْهُ امْرَأَتُهُ أُمُّ عَبْدِ اللهِ. قَالَ الثَّوْرِيُّ: وَنَقُولُ نَحْنُ: لَا يُغَسِّلُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ؛ لِأَنَّهَا لَوْ شَاءَ تَزَوَّجَ أُخْتَهَا حِينَ مَاتَتْ، وَنَقُولُ: تُغَسِّلُ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا؛ لِأَنَّهَا فِي عِدَّةٍ مِنْهُ.

- مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

١١٠٩٢- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَمَانٍ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَشْعَثَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: لا يُغَسِّلُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ، وَهُوَ رَأْيُ سُفْيَانَ.

ایک شبہ کا اِزالہ:

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وفات کے بعد غسل دیا، تو احناف کے نزدیک یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی غسل کے انتظامات اور نگرانی فرماتے رہے، یا یہ حضرت علی کی خصوصیت ہے، جیسا کہ ردالمحتار اور الدرالمختار میں اس کی مدلل تفصیل ہے، ملاحظہ فرمائیں:

- الدرالمختار میں ہے:

(وَيُمْنَعُ زَوْجُهَا مِنْ غُسْلِهَا وَمَسِّهَا، لَا مِنَ النَّظَرِ إِلَيْهَا عَلَى الْأَصَحِّ) «مُنْيَةٌ». وَقَالَت الْأَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ: يَجُوزُ؛ لِأَنَّ عَلِيًّا غَسَّلَ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا. قُلْنَا: هَذَا مَحْمُولٌ عَلَى بَقَاءِ الزَّوْجِيَّةِ؛ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ يَنْقَطِعُ بِالْمَوْتِ إِلَّا سَبَبِي وَنَسَبِي»، مَعَ أَنَّ بَعْضَ الصَّحَابَةِ أَنْكَرَ عَلَيْهِ، «شَرْحُ الْمَجْمَعِ» لِلْعَيْنِيِّ.

- اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

(قَوْلُهُ: قُلْنَا إِلَخْ) قَالَ فِي «شَرْحِ الْمَجْمَعِ» لِمُصَنِّفِهِ: فَاطِمَةُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا غَسَّلَتْهَا أُمُّ أَيْمَنَ حَاضِنَتُهُ ﷺ وَرَضِيَ عَنْهَا، فَتُحْمَلُ رِوَايَةُ الْغُسْلِ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ عَلَى مَعْنَى التَّهْيِئَةِ وَالْقِيَامِ التَّامِّ بِأَسْبَابِهِ، وَلَئِنْ ثَبَتَت الرِّوَايَةُ فَهُوَ مُخْتَصٌّ بِهِ، أَلَا تَرَى أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَمَّا اعْتَرَضَ عَلَيْهِ بِذَلِكَ أَجَابَهُ بِقَوْلِهِ: أَمَا عَلِمْت أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ فَاطِمَةَ زَوْجَتُك فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ»، فَادِّعَاؤُهُ الْخُصُوصِيَّةَ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْمَذْهَبَ عِنْدَهُمْ عَدَمُ الْجَوَازِ اهـ.

مَطْلَبٌ فِي حَدِيثِ: «كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ إِلَّا سَبَبِي وَنَسَبِي»:

قُلْت: وَيَدُلُّ عَلَى الْخُصُوصِيَّةِ أَيْضًا الْحَدِيثُ الَّذِي ذَكَرَهُ الشَّارِحُ وَفَسَّرَ بَعْضُهُمْ السَّبَبَ فِيهِ بِالْإِسْلَامِ وَالتَّقْوَى، وَالنَّسَبَ بِالِانْتِسَابِ وَلَوْ بِالْمُصَاهَرَةِ وَالرَّضَاعِ، وَيَظْهَرُ لِي أَنَّ الْأَوْلَى كَوْنُ الْمُرَادِ بِالسَّبَبِ الْقَرَابَةَ السَّبَبِيَّةَ كَالزَّوْجِيَّةِ وَالْمُصَاهَرَةِ وَبِالنَّسَبِ الْقَرَابَةَ النَّسَبِيَّةَ لِأَنَّ سَبَبِيَّةَ الْإِسْلَامِ وَالتَّقْوَى لَا تَنْقَطِعُ عَنْ أَحَدٍ فَبَقِيَتْ الْخُصُوصِيَّةُ فِي سَبَبِهِ وَنَسَبِهِ ﷺ، وَلِهَذَا قَالَ عُمَرُ

رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ: فَتَزَوَّجْت أُمَّ كُلْثُومٍ بِنْتَ عَلِيٍّ لِذَلِكَ. وَأَمَّا قَوْله تَعَالَى: «فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ» [المؤمنون: ١٠١] فَهُوَ مَخْصُوصٌ بِغَيْرِ نَسَبِهِ ﷺ النَّافِعِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَأَمَّا حَدِيثُ «لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِن اللهِ شَيْئًا» أَيْ أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ ذَلِكَ إِلَّا إِنْ مَلَّكَهُ اللّٰهُ تَعَالَى فَإِنَّهُ يَنْفَعُ الْأَجَانِبَ بِشَفَاعَتِهِ لَهُمْ بِإِذْنِ اللهِ تَعَالَى فَكَذَا الْأَقَارِبُ. وَتَمَامُ الْكَلَامِ عَلَى ذَلِكَ فِي رِسَالَتِنَا «الْعِلْمِ الظَّاهِرِ فِي نَفْعِ النَّسَبِ الطَّاهِرِ». (باب صلاة الجنائز)

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

20 ربیع الثانی 1441ھ/18 دسمبر 2019

مقالہ نمبر 8:

میت کو دفنانے
کے بعد قبر پر اذان دینے کا حکم

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

میت کو دفنانے کے بعد قبر پر اذان دینے کا حکم:

بہت سے علاقوں میں یہ رواج عام ہے کہ میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد قبر کے قریب کھڑے ہو کر اذان دی جاتی ہے، اس کو سنت، مستحب بلکہ ضروری بھی سمجھا جاتا ہے،اس کے فوائد بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ اذان واضح طور پر بدعت اور گناہ ہے،اس لیے اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

اس کے بدعت ہونے کو سمجھنے کے لیے چند باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے:

قبر پر اذان دینے کا کوئی ثبوت نہیں:

شریعت میں میت کی تجہیز و تکفین اور تدفین کے تمام احکام موجود ہیں، اسی طرح میت کو دفنانے کے بعد کیے جانے والے اعمال بھی بیان کر دیے گئے ہیں، لیکن قرآن وسنت میں کہیں بھی دفنانے کے بعد اذان دینے کا ذکر نہیں اور نہ ہی یہ اذان حضرات صحابہ کرام، تابعین عظام اور خیر القرون سے ثابت ہے، اس لیے یہ دین میں اپنی طرف سے اضافہ ہے جس کا بدعت ہونا واضح ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی تو وہ مردود (یعنی ناقابلِ قبول اور ناقابلِ اعتبار) ہے۔‘‘

٢٦٩٧- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ».

شریعت میں اذان دیے جانے کے مقامات اور مواقع متعین ہیں:

شریعت میں اذان کے احکام بھی مذکور ہیں کہ کن کن مقامات اور مواقع میں اذان دینی ہے، لیکن میت کو دفنانے کے بعد قبر پر اذان دینے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اسی طرح نمازوں میں بھی اگر غور کیا جائے تو شریعت میں پنج وقتہ باجماعت نمازوں اور جمعہ کی نماز کے لیے اذان اور اقامت کو سنتِ مؤکدہ قرار دیا گیا ہے، لیکن ان پانچ نمازوں اور جمعہ کے علاوہ سنتوں، نوافل، وتر، تراویح، عیدین، نمازِ جنازہ، نمازِ استسقا، چاند گرہن اور سورج

گرہن کی نماز اور اسی طرح کسی بھی نماز کے لیے اذان واقامت کو سنت قرار نہیں دیا گیا، اس لیے ان بقیہ نمازوں کے لیے اذان اور اقامت کہنا درست نہیں۔

- جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

الْأَذَانُ سُنَّةٌ لِأَدَاءِ الْمَكْتُوبَاتِ بِالْجَمَاعَةِ، كَذَا في «فَتَاوَى قَاضِي خَانْ»، وَقِيلَ: إِنَّهُ وَاجِبٌ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ، كَذَا في «الْكَافِي»، وَعَلَيْهِ عَامَّةُ الْمَشَايِخِ، هَكَذَا في «الْمُحِيطِ». وَالْإِقَامَةُ مِثْلُ الْأَذَانِ في كَوْنِهِ سُنَّةً لِلْفَرَائِضِ فَقَطْ، كَذَا في «الْبَحْرِ الرَّائِقِ»، وَلَيْسَ لِغَيْرِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَالْجُمُعَةِ نَحْوِ السُّنَنِ وَالْوِتْرِ وَالتَّطَوُّعَاتِ وَالتَّرَاوِيحِ وَالْعِيدَيْنِ أَذَانٌ وَلَا إِقَامَةٌ، كَذَا في «الْمُحِيطِ»، وَكَذَا لِلْمَنْذُورَةِ وَصَلَاةِ الْجِنَازَةِ وَالِاسْتِسْقَاءِ وَالضُّحَى وَالْإِفْزَاعِ، هَكَذَا في «التَّبْيِينِ»، وَكَذَا لِصَلَاةِ الْكُسُوفِ وَالْخُسُوفِ، كَذَا في «الْعَيْنِيِّ شَرْحِ الْكَنْزِ».

(كِتَابُ الصَّلَاةِ: الْبَابُ الثَّانِي في الْأَذَانِ، الْفَصْلُ الْأَوَّلُ في صِفَتِهِ وَأَحْوَالِ الْمُؤَذِّنِ)

گویا کہ یہ فیصلہ شریعت نے کرنا ہے کہ کہاں اذان دینی ہے اور کہاں نہیں دینی، اس میں ہم اپنی طرف سے کسی اور اذان کا اضافہ نہیں کر سکتے، اس لیے قبر میں میت کو دفنانے کے بعد کہیں بھی اذان دینے کا ثبوت نہیں ملتا۔

ردالمحتار کی صریح عبارت:

فقہ حنفی کی مشہور اور معتبر کتاب ”ردالمحتار“ میں قبر پر اذان دینے کے بدعت ہونے کی صراحت کی گئی ہے، ذیل میں اس کی تفصیلی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

- ردالمحتار:

فِي الِاقْتِصَارِ عَلَى مَا ذُكِرَ مِن الْوَارِدِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ لَا يُسَنُّ الْأَذَانُ عِنْدَ إِدْخَالِ الْمَيِّتِ فِي قَبْرِهِ كَمَا هُوَ الْمُعْتَادُ الْآنَ، وَقَدْ صَرَّحَ ابْنُ حَجَرٍ فِي «فَتَاوِيهِ» بِأَنَّهُ بِدْعَةٌ، وَقَالَ: وَمَنْ ظَنَّ أَنَّهُ سُنَّةٌ قِيَاسًا عَلَى نَدْبِهِمَا لِلْمَوْلُودِ إِلْحَاقًا لِخَاتِمَةِ الْأَمْرِ بِابْتِدَائِهِ فَلَمْ يُصِبْ. اهـ وَقَدْ صَرَّحَ بَعْضُ عُلَمَائِنَا وَغَيْرُهُمْ بِكَرَاهَةِ الْمُصَافَحَةِ الْمُعْتَادَةِ عَقِبَ الصَّلَوَاتِ مَعَ أَنَّ الْمُصَافَحَةَ سُنَّةٌ، وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِكَوْنِهَا لَمْ تُؤْثَرْ

فِي خُصُوصِ هَذَا الْمَوْضِعِ، فَالْمُوَاظَبَةُ عَلَيْهَا فِيهِ تُوهِمُ الْعَوَّامَ بِأَنَّهَا سُنَّةٌ فِيهِ، وَلِذَا مَنَعُوا عَن الاِجْتِمَاعِ لِصَلَاةِ الرَّغَائِبِ الَّتِي أَحْدَثَهَا بَعْضُ الْمُتَعَبِّدِينَ؛ لِأَنَّهَا لَمْ تُؤْثَرْ عَلَى هَذِهِ الْكَيْفِيَّةِ فِي تِلْكَ اللَّيَالِي الْمَخْصُوصَةِ وَإِنْ كَانَت الصَّلَاةُ خَيْرَ مَوْضُوعٍ. (باب صلاة الجنائز: مطلب في دفن الميت)

ماقبل کی تفصیل سے قبر پر اذان دینے کا ناجائز اور بدعت ہونا واضح ہو چکا، ذیل میں اس کی مذمت سے متعلق چند اہم نکات ذکر کیے جاتے ہیں تاکہ مسئلہ مزید واضح ہو سکے۔

حق کا معیار: سنّت اور صحابہ کرام:

سنن الترمذی کی حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”بنی اسرائیل 72 فرقوں میں بٹے تھے، جبکہ میری امت میں 73 فرقے بنیں گے، ان میں ایک کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ ایک کامیاب اور برحق جماعت کون سی ہوگی؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي“یعنی جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگی۔“

٢٦٤١- عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بني إسرائيل حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ، وَإِنَّ بني إسرائيل تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً»، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي».

اس حدیث میں حق جماعت کی جو علامت بیان فرمائی گئی ہے وہ یہی ہے کہ جو سنت اور صحابہ کرام کے طریقے پر ہو، یہ علامت دین کے ہر معاملے میں ایک واضح پیمانہ ہے جس کی بنیاد پر ہر ایک انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے نظریات اور اعمال جانچ سکتا ہے۔ یقیناً یہ معیار اپنانے سے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں اور بہت سے پریشانیوں، بدعات اور خود ساختہ اعمال اور نظریات سے نجات مل سکتی ہے!!

سنت اور صحابہ کرام سے وابستگی سے متعلق چند روایات:

سنت اور صحابہ کرام کے معیار کو مضبوطی سے تھامنے کی اشد ضرورت ہے۔ ذیل میں سنت اور صحابہ سے متعلق چند روایات ذکر کی جاتی ہیں جن سے یہ بات بخوبی واضح ہوسکے گی:

1۔ سنن الترمذی میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے ایک شخص کو چھینک آئی تو اس نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ، تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں بھی کہتا ہوں کہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ، لیکن اس طرح ہمیں حضور اقدس ﷺ نے نہیں سکھایا، بلکہ ہمیں یوں سکھایا ہے کہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ.

٢٧٣٨- عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ رَجُلًا عَطَسَ إِلَى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ، فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ. قَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَأَنَا أَقُولُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللهِ، وَلَيْسَ هٰكَذَا عَلَّمَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، عَلَّمَنَا أَنْ نَقُولَ: «اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ». (بَابُ مَا يَقُولُ العَاطِسُ إِذَا عَطَسَ)

غور کیجیے کہ چھینکنے والے شخص نے چھینک کے بعد الحمد للہ تو کہا لیکن ساتھ میں حضور اقدس ﷺ پر سلام بھی بھیج دیا، حالاں کہ سب جانتے ہیں کہ چھینک کے بعد کی دعا میں الحمد للہ کے بعد درود وسلام پڑھنا سنت سے ثابت نہیں، اس پر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے عاشقِ سنت صحابی نے فورًا تنبیہ فرمائی کہ میں بھی اس کا قائل ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بھی ہونی چاہیے اور حضور اقدس ﷺ پر درود وسلام بھی پڑھنا چاہیے یعنی کہ درود وسلام کی اہمیت وفضیلت کا میں بھی قائل ہوں لیکن یہ اس کا موقع نہیں، اس لیے چھینک کے بعد درود وسلام پڑھنا درست نہیں کیوں کہ ہمیں حضور اقدس ﷺ نے چھینک کے بعد الحمد للہ کہنا ہی سکھایا ہے جس میں درود وسلام کا ذکر نہیں۔

اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ چھینک کے بعد کی دعا میں الحمد للہ کے بعد درود وسلام سنت سے ثابت نہ تھا اس لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے پسند نہیں فرمایا اور تنبیہ فرمائی، گویا کہ درود شریف پڑھنا بہت بڑا عمل ہے لیکن اس کے لیے ایسا موقع اور طریقہ ایجاد کرنا جو سنت اور صحابہ سے ثابت نہ ہوا سے بدعت ہی

قرار دیا جاسکتا ہے۔اس سے بھی قبر پر اذان دینے کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

2۔ حضرت امام شاطبی رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الاعتصام'' میں فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :''جو عبادت حضرات صحابہ کرام نے نہیں کی وہ عبادت نہ کرو، کیوں کہ پہلے لوگوں نے پچھلوں کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی (جس کو یہ پورا کریں)، خدا تعالیٰ سے ڈرو اور پہلے لوگوں کے طریقے کو اختیار کرو۔اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔(جواہر الفقہ)

وَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ قَالَ حُذَيْفَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: كُلُّ عِبَادَةٍ لَمْ يَتَعَبَّدْهَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَا تعبَّدوها؛ فَإِنَّ الْأَوَّلَ لَمْ يَدَعْ لِلْآخِرِ مَقَالًا، فَاتَّقُوا اللهَ يَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ، وَخُذُوا بِطَرِيقِ مَنْ كَانَ قبلكم. ونحوه لابن مسعود أيضًا. (الباب الثامن في الفرق بين البدع والمصالح المرسلة)

- البدع لابن وضاح القرطبي:

١٠- عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَوْنٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: قَالَ حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ: اتَّقُوا اللهَ يَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ، خُذُوا طَرِيقَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، وَاللهِ لَئِنِ اسْتَقَمْتُمْ لَقَدْ سُبِقْتُمْ سَبْقًا بَعِيدًا، وَلَئِنْ تَرَكْتُمُوهُ يَمِينًا وَشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا. (بَابُ مَا يَكُونُ بِدْعَةً)

3۔ حضرت امام شاطبی رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الاعتصام'' میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ : تم ہماری پیروی کرو اور دین میں نئی باتیں ایجاد نہ کرو، یہ تمہارے لیے کافی ہے۔

وَخَرَّجَ [ابْنِ وَضَّاحٍ] أَيْضًا عَنْ عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: اتَّبِعُوا آثَارَنَا وَلَا تَبْتَدِعُوا فَقَدْ كُفِيتُمْ. (فصل: الأدلة من النقل على ذم البدع)

- البدع لابن وضاح القرطبي:

١١ - حَدَّثَنَا أَسَدٌ قَالَ: أخبرنا أَبُو هِلَالٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: اتَّبِعُوا آثَارَنَا، وَلَا تَبْتَدِعُوا، فَقَدْ كُفِيتُمْ. (بَابُ مَا يَكُونُ بِدْعَةً)

- مجمع الزوائد:

٨٥٣- عن عبد الله بن مسعود قال: اتبعوا ولا تبتدعوا فقد كفيتم.

رواه الطبراني في «الكبير»، ورجاله رجال الصحيح.

خلاصہ:

ما قبل کی تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ قبر پر اذان دینا قرآن وسنت، حضرات صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین سے کہیں ثابت نہیں، اس لیے اس کا بدعت ہونا واضح ہے، اور بدعت اسی قابل ہوتی ہے کہ اس سے بیزاری کا اعلان کرتے ہوئے اجتناب کیا جائے!

دین اپنی اصلی اور حقیقی صورت میں کب برقرار رہ سکتا ہے؟

دین اپنی حقیقی شکل وصورت میں تبھی برقرار رہ سکتا ہے جب اس کے لیے سنت اور صحابہ کو معیار قرار دیا جائے کیوں کہ اگر ہر ایک اپنی طرف سے دین کے نام پر کوئی عمل ایجاد کرے گا یا اپنے کسی خود ساختہ عمل کو دینداری، اتباعِ نبوی اور عشقِ رسالت کا معیار قرار دے گا تو دین کا حلیہ ہی مسخ ہو جائے گا اور دین اپنی اصلی صورت میں باقی نہیں رہ پائے گا، اور نہ ہی بعد والوں کو حقیقی دین پہنچ سکے گا، حالاں کہ خود ساختہ اعمال اور پیمانوں کا تو نام دین نہیں۔ اس لیے دین کے معاملے میں سنت اور صحابہ کرام کو معیار قرار دینے کی ایک بڑی ضرورت یہ بھی ہے۔

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
30 جُمادَی الاُولیٰ 1441ھ/26 جنوری 2020

مقالہ نمبر9:

مہر

کی کم از کم مقدار اور اس کا موجودہ وزن

فہرست:

- مہر کی کم از کم مقدار اور اس کا موجودہ وزن۔
- اقلِّ مہر دس دراہم کا موجودہ وزن گرام میں۔
- اقلِّ مہر دس دراہم کا موجودہ وزن تولہ میں۔
- اقلِّ مہر دس دراہم کا موجودہ وزن ماشہ میں۔
- مہر کی کم از کم مقدار کی موجودہ قیمت معلوم کرنے کا طریقہ۔
- درہم کی قیمت معلوم کرنے کا طریقہ۔

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

مہر کی کم از کم مقدار اور اس کا موجودہ وزن:

نکاح میں مہر مقرر کرنے کی کم از کم مقدار دس شرعی دراہم ہے، اس سے کم مہر مقرر کرنا جائز نہیں۔ اس لیے مہر میں جو بھی چیز مقرر کی جائے اس کی قیمت دس شرعی دراہم سے کم نہیں ہونی چاہیے۔

شرعی درہم کا موجودہ وزن:

موجودہ دور کے حساب سے ایک شرعی درہم 3.0618 گرام چاندی کے برابر ہوتا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ فقہ کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شرعی درہم 14 قیراط کا ہوتا ہے اور ایک قیراط 0.2187 گرام کا ہوتا ہے، تو 0.2187 کو 14 سے ضرب دینے کی صورت میں 3.0618 گرام آتا ہے جو کہ درہم کا موجودہ وزن ہے۔

اقلِّ مہر دس دراہم کا موجودہ وزن گرام میں:

ماقبل کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایک شرعی درہم 3.0618 گرام چاندی کے برابر ہوتا ہے تو اس کو 10 سے ضرب دینے کی صورت میں 30.618 گرام چاندی جواب آتا ہے جو کہ مہر کی کم از کم مقدار ہے۔

اقلِّ مہر دس دراہم کا موجودہ وزن تولہ میں:

تولہ کے اعتبار سے دس دراہم 2.625 تولہ چاندی بنتے ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک تولہ 11.664 گرام کے برابر ہوتا ہے، اور دس دراہم 30.618 گرام کے برابر ہوتے ہیں، تو 30.618 گرام کو تولہ میں لانے کے لیے اس کو 11.664 سے تقسیم کریں گے تو جواب میں 2.625 تولہ آئے گا جو کہ مہر کی کم از کم مقدار ہے۔

اقلِّ مہر دس دراہم کا موجودہ وزن ماشہ میں:

ماشہ کے اعتبار سے دس دراہم 31.5 ماشہ چاندی کے برابر ہوتے ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک

ماشہ 0.972 گرام کا ہوتا ہے یعنی یہ گرام سے 28 ملی گرام چھوٹا ہوتا ہے، اور ماقبل میں یہ بات معلوم ہو چکی کہ دس دراہم 30.618 گرام کے برابر ہوتے ہیں، تو 30.618 گرام کو ماشہ میں لانے کے لیے اس کو 0.972 سے تقسیم کریں گے تو جواب میں 31.5 ماشہ آئے گا جو کہ مہر کی کم از کم مقدار ہے۔

خلاصہ:

ماقبل کی تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ مہر کی کم از کم مقدار دس شرعی دراہم ہیں جو کہ گرام کے حساب سے 30.618 گرام چاندی کے برابر بنتے ہیں جبکہ تولہ کے حساب سے 2.625 تولہ چاندی کے برابر ہوتے ہیں، اس لیے مہر میں جو بھی چیز مقرر کی جائے اس کی قیمت دس شرعی دراہم سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ البتہ چاندی کی قیمت چونکہ تبدیل ہوتی رہتی ہے اس لیے جس دن نکاح ہو رہا ہو اس دن چاندی کی قیمت معلوم کر کے دس شرعی دراہم کی قیمت کا حساب لگا لیا جائے۔

- قیراط: 0.2187 گرام۔ (اوزانِ شرعیہ از مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)
- شرعی درہم: 14 قیراط (البحر الرائق) = 3.0618 گرام چاندی۔ (اوزانِ شرعیہ)
- مہر کی کم از کم مقدار: 10 درہم = 30.618 گرام چاندی = 2.625 تولہ چاندی = 31.5 ماشہ چاندی۔

مہر کی کم از کم مقدار کی موجودہ قیمت معلوم کرنے کا طریقہ:

مہر کی کم از کم مقدار دس دراہم ہے، اس کی موجودہ قیمت معلوم کرنے کے لیے چاندی کی قیمت معلوم کر لی جائے، اگر چاندی کے ایک تولہ کی قیمت معلوم ہے تو اس کو 2.625 سے ضرب دیا جائے جو کہ تولہ کے حساب سے دس دراہم کا وزن ہے، جو جواب آئے تو وہی مہر کی کم از کم مقدار کی قیمت ہے، جیسے اگر ایک تولہ چاندی کی قیمت 1054 روپے ہے تو اس کو 2.625 سے ضرب دینے سے 2766.75 روپے حاصل ہوں گے، یہی دس دراہم کی قیمت ہے۔

اور اگر دس گرام چاندی کی قیمت معلوم ہے تو ایسی صورت میں پہلے اس کو دس سے تقسیم کریں تو ایک گرام کی قیمت معلوم ہو جائے گی، پھر اس کو 30.618 سے ضرب دے دیں کیوں کہ یہی دس دراہم کا وزن ہے گرام کے حساب سے، تو دس دراہم کی قیمت سامنے آجائے گی، جیسے اگر دس گرام چاندی کی قیمت 900 روپے ہے تو اس کو دس سے تقسیم کریں گے تو 90 روپے ایک گرام کی قیمت حاصل ہو گی، اب اس کو 30.618 سے ضرب دیں کیوں کہ گرام میں دس دراہم کا یہی وزن بنتا ہے، تو یہ 2755.62 روپے آئیں گے جو کہ دس دراہم اقلّ مہر کی قیمت ہے۔

درہم کی قیمت معلوم کرنے کا طریقہ:

اگر آپ کو ایک تولہ چاندی کی قیمت معلوم ہے تو اس سے ایک درہم کی قیمت معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو 11.664 سے تقسیم کرکے ایک گرام کی قیمت حاصل کرلی جائے کیوں کہ ایک تولہ 11.664 گرام ہی کا ہوتا ہے، ایک گرام کی قیمت حاصل ہو جانے کے بعد اسے 3.0618 گرام میں ضرب دیا جائے کیوں کہ ایک درہم اتنے ہی گرام کا ہوتا ہے، تو جو جواب آئے وہی ایک درہم کی قیمت ہے۔

وضاحت:

ماقبل میں مہر کی کم از کم مقدار کا ذکر ہے، جہاں تک مہر فاطمی، مہر مثل یا مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار کا تعلق ہے تو ان کی تفصیل کسی اور تحریر میں بیان ہو گی ان شاءاللہ۔

تنبیہ:

مہر کی کم از کم مقدار سے متعلق احناف کا یہ مذہب معتبر روایات سے ثابت ہے، ذیل میں احادیث مبارکہ، ان کی اسنادی حیثیت اور فقہی عبارات ذکر کی جاتی ہیں۔

احادیث مبارکہ اور فقہی عبارات

- مصنف ابن أبي شيبة:

١٦٦٣١: عَنْ دَاوُدَ الزعَافِري عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ: لَا مَهْرَ بِأَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ.

- سنن الدارقطني:

٣٦٤٥: عَنْ عَطَاءٍ وَعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تُنْكِحُوا النِّسَاءَ إِلَّا الْأَكْفَاءَ، وَلَا يُزَوِّجُهُنَّ إِلَّا الْأَوْلياءُ، وَلَا مَهْرَ دُونَ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ».

٣٦٤٦: عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ وَعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا صَدَاقَ دُونَ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ».

٣٦٤٧: حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ يَحْيَى بْنِ عَيَّاشٍ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ إِشْكَابٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَبِيعَةَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ الْأَوْدِيُّ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ: لَا يَكُونُ مَهْراً أَقَلُّ مِنْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ.

٣٦٤٨: عَنْ دَاوُدَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: لَا صَدَاقَ أَقَلُّ مِنْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ.

- عمدة القاري:

قلت: قال أصحابنا: أقل المهر عشرة دراهم سواء كانت مضروبة أو غيرها حتى يجوز وزن عشرة تبرا وإن كانت قيمته أقل بخلاف السرقة؛ لما روي الدارقطني من حديث جابر بن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ: «لا تنكحوا النساء إلا للأكفاء، ولا يزوجهن إلا الأولياء، ولا مهر دون عشرة دراهم». فإن قلت: فيه مبشر بن عبيد متروك الحديث، أحاديثه لا يتابع عليها، قاله الدارقطني، وقال البيهقي في «المعرفة»: عن أحمد بن حنبل أنه قال: أحاديث بشر بن عبيد موضوعة كذب. قلت: رواه البيهقي من طرق، والضعيف إذا روي من طريق يصير حسنا، فيحتج به، ذكره النووي في «شرح المهذب»، وعن علي رضي الله تعالى عنه أنه قال: أقل ما يستحلّ به المرأة عشرة دراهم. ذكره البيهقي.

(باب قول الله تعالى: «وآتوا النساء صدقاتهن نحلة»....)

- فيض الباري شرح صحيح البخاري للإمام الكشميري رحمه الله:

وقال أبو حنيفة: لا مَهْر أقل من عشرةِ دراهمَ. إلا أنَّ في إسناده حجاجَ بن أَرطاة، وحَسّن الترمذيُّ حديثَه في غير واحد مِن المواضع من كتابه وإن كان المحدِّثون لا يعتبرون بتحسينه، أما أنا فأعتمد بتحسينه، وذلك؛ لأنَّ الناس عامّة ينظرون إلى صورةِ الإِسناد فقط، والترمذيُّ ينظر إلى حاله في الخارج أيضًا، وهذا الذي ينبغي، والقَصْر على الإِسناد فقط قصور، والطَّعْن فيه أنه كان يَشْرب النبيذ. قلتُ: ولا جَرْح به عند أهل الكوفة؛ فإنه حلالٌ عندهم. وقالوا أيضًا: إنَّه كان مُتكبّرًا، قلتُ: دعوها فإنها كلمةٌ مُنْتِنة، واتركوا سائرَ الناس ...... وقالوا: إنه كان يَترك الجماعة؛ قلتُ: نعم هذا الجرح شديدٌ، إلّا أنه نُقل عن مالك أنه لم يأت المسجدَ النبويَّ إلى ثلاثينَ سنةً، فَسُئل عنه فأجاب: أنَّ كلّ أَحَدٍ لا يقدر على إظهارِ عُذْره، فحسنه العلماءُ على جوابه، كما في «التذكرة»؛ قلتُ: نعم، وذلك لأنه كان إمَامًا عظيمًا آتَاه الله عِلْمًا وحِكْمةً وقَبولًا، فنكسوا رءوسهم، أما الحَجّاج فكان رَجُلًا من الرجال، فتكأكأوا عليه كالتكأكؤ على ذي جِنّة. ثُم الشيخُ ابنُ الهُمام أتى بحديثٍ في تقدير المَهْر في باب الكفاءة، وهذا من زياداتِه على الزَّيلعي، وقد زاد عليه في موضع آخَر، وإلَّا فجميع كتابِه مأخوذةٌ من الزَّيلعي، ولم يأت عليه بشيءٍ جديدٍ، ونقل الشيخُ تصحيحَه عن الحافظ بُرْهان الدِّين الحَلَبي، إلا أنه لم يكن عنده إسنادُه، ثُم ذكر الشَّيخ ابنُ الهُمام أنَّ بَعْضًا من أصحابه جاء بسندِه من عندِ الحافظ ابنِ حَجَر، والحديث بذلك السَّند ليس أَقلَّ من الحَسَن. قلتُ: وأَكْبر ظَنِّي أن هذا البَعْضَ الذي جاء بسنده هو تلميذُه ابنُ أمير الحاج، وهو نِصاب القَطْع في باب السَّرقة عندنا، وله حديثٌ قويٌّ عند النَّسائي، والرأي فيه عندي أنَّ المَهْر وكذا نِصاب السَّرقة كانا قَليلين في أَوَّل الإسلام؛ لعسر حال المسلمين، فلما وَسَّع الله تعالى عليهم زِيد في المهر ونِصاب السرقة أيضًا، حتى استقرَّ الأَمْر على عشرةِ دراهمَ فيهما، فلا نَسْخ عندي، وحينئذٍ جاز أن يكون نَحْوُ خاتم حديد تمامَ المَهْر في زمن، ولك أن تحمله على المُعَجّل أيضًا. فالصُّورُ كلُّها معمولةٌ بها عندي، وإن انتهى الأَمْر إلى العشرةِ. (باب قول الله تعالى: «وآتوا النساء صدقاتهن نحلة»....)

- فتح القدير:

ولنا قوله ﷺ من حديث جابر رضي الله عنه: «ألا لا يزوج النساء إلا الأولياء، ولا يزوجن إلا من الأكفاء، ولا مهر أقل من عشرة دراهم»، رواه الدارقطني والبيهقي، وتقدم الكلام عليه في الكفاءة فوجب الجمع فيحمل كل ما أفاد ظاهره كونه أقل من عشرة دراهم على أنه المعجل.
(باب المهر)

- البحر الرائق:

قَوْلُهُ: (وَأَقَلُّهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ) أَيْ أَقَلُّ الْمَهْرِ شَرْعًا؛ لِلْحَدِيثِ: «لَا مَهْرَ أَقَلُّ من عَشَرَةِ دَرَاهِمَ»، وهو وَإِنْ كان ضَعِيفًا فَقَدْ تَعَدَّدَتْ طُرُقُهُ، وَالْمَنْقُولُ في الْأُصُولِ أَنَّ الضَّعِيفَ إذَا تَعَدَّدَتْ طُرُقُهُ فإنه يَصِيرُ حَسَنًا إذَا كان ضَعْفُهُ بِغَيْرِ الْفِسْقِ، وَلِأَنَّهُ حَقُّ الشَّرْعِ وُجُوبًا إظْهَارًا لِشَرَفِ الْمَحَلِّ فَيُقَدَّرُ بماله خَطَرٌ وهو الْعَشَرَةُ اسْتِدْلَالًا بِنِصَابِ السَّرِقَةِ. (باب المهر)

- الدر المختار:

(أقله عشرة دراهم)؛ لحديث البيهقي وغيره: «لا مهر أقل من عشرة دراهم»، ورواية الأقل تحمل على المعجل (فضة وزن سبعة) مثاقيل كما في الزكاة (مضروبة كانت أو لا) ولو دينا أو عرضا قيمته عشرة وقت العقد، أما في ضمانها بطلاق قبل الوطء فيوم القبض. (وتجب) العشرة إن سماها أو دونها. (باب المهر)

- الهندية:

أَقَلُّ الْمَهْرِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ مَضْرُوبَةً أَوْ غَيْرَ مَضْرُوبَةٍ حَتَّى يَجُوزَ وَزْنُ عَشَرَةٍ تِبْرًا، وَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ أَقَلَّ، كَذَا فِي «التَّبْيِينِ»، وَغَيْرُ الدَّرَاهِمِ يَقُومُ مَقَامَهَا بِاعْتِبَارِ الْقِيمَةِ وَقْتَ الْعَقْدِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، حَتَّى لَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى ثَوْبٍ أَوْ مَكِيلٍ أَوْ مَوْزُونٍ وَقِيمَتُهُ يَوْمَ الْعَقْدِ عَشَرَةٌ فَصَارَتْ يَوْمَ الْقَبْضِ أَقَلَّ لَيْسَ لَهَا الرَّدُّ، وَفِي الْعَكْسِ لَهَا مَا نَقَصَ، كَذَا فِي «النَّهْرِ الْفَائِقِ». (باب المهر)

- البحر الرائق:

قَوْلُهُ: (وفي الدَّرَاهِمِ وَزْنُ سَبْعَةٍ وهو أَنْ تَكُونَ الْعَشَرَةُ منها وَزْنَ سَبْعَةِ مَثَاقِيلَ) وَالْمِثْقَالُ وهو

الدِّينَارُ عِشْرُونَ قِيرَاطًا، وَالدِّرْهَمُ أَرْبَعَةَ عَشَرَ قِيرَاطًا، وَالْقِيرَاطُ خَمْسُ شُعَيْرَاتٍ، أَي الْمُعْتَبَرُ في الدَّرَاهِمِ إِلَى آخِرِهِ، وَالْأَصْلُ فيه أَنَّ الدَّرَاهِمَ كانت مُخْتَلِفَةً في زَمَنِ النبي ﷺ، وفي زَمَنِ أبي بَكْرٍ وَعُمَرَ رضي اللهُ عنهما على ثَلَاثِ مَرَاتِبَ فَبَعْضُهَا كان عِشْرِينَ قِيرَاطًا مِثْلَ الدِّينَارِ، وَبَعْضُهَا كان اثْنَيْ عَشَرَ قِيرَاطًا ثَلَاثَةَ أَخْمَاسِ الدِّينَارِ، وَبَعْضُهَا عَشَرَةُ قَرَارِيطَ نِصْفَ الدِّينَارِ. فَالْأَوَّلُ وَزْنُ عَشَرَةٍ من الدَّنَانِيرِ، وَالثَّانِي وَزْنُ سِتَّةٍ أَيْ كُلُّ عَشَرَةٍ منه وَزْنُ سِتَّةٍ من الدَّنَانِيرِ، وَالثَّالِثُ وَزْنُ خَمْسَةٍ أَيْ كُلُّ عَشْرَةٍ منه وَزْنُ خَمْسَةٍ من الدَّنَانِيرِ، فَوَقَعَ التَّنَازُعُ بين الناس في الْإِيفَاءِ وَالِاسْتِيفَاءِ فَأَخَذَ عُمَرُ من كل نَوْعٍ دِرْهَمًا فَخَلَطَهُ فَجَعَلَهُ ثَلَاثَةَ دَرَاهِمَ متساويه فَخَرَجَ كُلُّ دِرْهَمٍ أَرْبَعَةَ عَشَرَ قِيرَاطًا فَبَقِيَ الْعَمَلُ عليه إِلَى يَوْمِنَا هذا في كل شَيْءٍ في الزَّكَاةِ وَنِصَابِ السَّرِقَةِ وَالْمَهْرِ وَتَقْدِيرِ الدِّيَاتِ، وَذَكَرَ في «الْمُغْرِبِ» أَنَّ هذا الْجَمْعَ وَالضَّرْبَ كان في عَهْدِ بَنِي أُمَيَّةَ. (باب زكاة المال)

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

یکم جمادی الثانیہ 1441ھ/27 جنوری 2020

مقالہ نمبر10:

درخت لگایئے، ثواب کمایئے!

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

درخت لگانے کے فوائد:

ماحول میں درختوں کا وجود جس قدر عظیم الشان فوائد کا ذریعہ ہے وہ روزِ روشن کی طرح واضح ہیں، یہ آب وہوا میں بہتری لاکر اسے ماحول کے لیے مفید سے مفید تر بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، ان کی وجہ سے معاشرے میں بسنے والے جانداروں کی صحت پر خوشگوار اثر پڑتا ہے، ان کی ٹھنڈی چھاؤں اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، ان کے پھل زندگی کے لطف میں اضافہ کرتے ہیں۔ ہر درخت، بیل اور پودا اپنی الگ خاصیت رکھتا ہے، ان کے علاوہ بھی درختوں کے بے شمار فوائد ہیں، یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں درخت اُگانے کی بڑی ترغیب دی جاتی ہے۔ یہ تو اس کے دنیوی فوائد ہیں، جبکہ احادیثِ مبارکہ میں حضور اقدس ﷺ نے اس کے عظیم الشان اخروی فضائل بھی بیان فرمائے ہیں، جن کو مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ درخت لگانا کس قدر اَجر وثواب کا کام ہے اور اس کی کس قدر ترغیب دی گئی ہے!! درخت اگانے کے دنیوی اور اُخروی فوائد معلوم ہو جانے کے بعد اس میں انفرادی اور اجتماعی طور پر خود بھی حصہ لینا چاہیے اور دوسروں کو بھی ترغیب دینی چاہیے، البتہ جو درخت ماہرین کی نظر میں آبادی کے لیے مناسب اور مفید نہ ہوں تو ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

ذیل میں درخت لگانے کے فضائل پر مشتمل احادیث مبارکہ بمع ترجمہ بیان کی جاتی ہیں، پھر آخر میں ان احادیث سے ثابت ہونے والی باتوں کا خلاصہ ذکر کیا جائے گا ان شاءاللہ۔

تحریر کے مقاصد:

اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ:

- درخت لگانے کی دنیوی اور اُخروی اہمیت اور فضائل و فوائد معلوم ہو جائیں۔
- درخت لگانے کے فضائل پر مشتمل احادیث مبارکہ عام ہو جائیں۔
- درخت لگانے سے متعلق نظریاتی اور عملی غلط فہمیاں دور ہو جائیں اور نیت کی بھی اصلاح ہو جائے۔
- درخت لگانے کی دعوت اور ترغیب ہو جائے۔
- درختوں اور پودوں سے متعلق تحقیق کرنے والے حضرات کے لیے مفید ثابت ہو۔

درخت لگانے سے متعلق احادیث ملاحظہ فرمائیں:

1۔ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’جب کوئی مسلمان درخت لگاتا ہے، پھر اس (کے پھل، پتوں یا کسی بھی حصے) سے کوئی انسان یا جانور کھالیتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ شمار ہوتا ہے۔‘‘

- صحیح بخاری میں ہے:

٦٠١٢: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا مِنْ مُسْلِمٍ غَرَسَ غَرْسًا فَأَكَلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ دَابَّةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ».

سبحان اللہ! درخت میں سے کوئی انسان یا جانور کچھ کھالے تو اس درخت لگانے والے کو اس کا اجر وثواب ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ درخت سے نجانے کتنے چھوٹے بڑے جاندار اپنے مزاج کے موافق کچھ نہ کچھ کھا ہی لیتے ہیں تو یہ سب اس شخص کے لیے اجر کا باعث ہے، اسی طرح اگر کوئی انسان کچھ کھالے تب بھی اس درخت لگانے والے کو اجر ملتا ہے۔

2۔ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’جب مسلمان کوئی درخت یا کھیتی اُگاتا ہے، پھر اس سے کوئی انسان، جانور یا کوئی بھی چیز کچھ کھالیتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ شمار ہوتا ہے۔‘‘

- صحیح مسلم میں ہے:

٤٠٥١: عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَى أُمِّ مُبَشِّرٍ الأَنْصَارِيَّةِ فِي نَخْلٍ لَهَا فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ غَرَسَ هَذَا النَّخْلَ أَمُسْلِمٌ أَمْ كَافِرٌ»؟ فَقَالَتْ: بَلْ مُسْلِمٌ، فَقَالَ: «لَا يَغْرِسُ مُسْلِمٌ غَرْسًا وَلَا يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ وَلَا دَابَّةٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً».

اس میں درخت کے ساتھ ساتھ کھیت کا بھی ذکر ہے۔

3۔ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’جب مسلمان کوئی درخت اُگاتا ہے، پھر اس سے کوئی انسان، جانور یا کوئی پرندہ کچھ کھالیتا ہے تو یہ اس کے لیے قیامت تک صدقہ شمار ہوتا ہے۔‘‘

- صحیح مسلم میں ہے:

٤٠٥٣: عَمْرو بْن دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى أُمِّ مَعْبَدٍ حَائِطًا فَقَالَ:

«يَا أُمَّ مَعْبَدٍ، مَنْ غَرَسَ هَذَا النَّخْلَ أَمُسْلِمٌ أَمْ كَافِرٌ»؟ فَقَالَتْ: بَلْ مُسْلِمٌ، قَالَ: «فَلَا يَغْرِسُ الْمُسْلِمُ غَرْسًا فَيَأْكُلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ وَلَا دَابَّةٌ وَلَا طَيْرٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةً إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ».

4۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جس شخص نے درخت اگایا، پھر اس سے کوئی انسان، پرندہ، درندہ یا کوئی اور جانور کچھ کھالیتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ شمار ہوتا ہے۔“

- مسند احمد میں ہے:

١٥٢٠١: عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ غَرَسَ غَرْسًا فَأَكَلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ طَيْرٌ أَوْ سَبُعٌ أَوْ دَابَّةٌ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ».

اس حدیث میں پرندوں اور درندوں کے کھانے کا بھی صراحت سے ذکر کیا گیا ہے۔

5۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جس شخص نے کوئی درخت اُگایا یا کھیتی اُگائی، پھر اس سے کسی انسان، درندے، پرندے یا کسی اور جانور نے کچھ کھالیا تو یہ اس کے لیے صدقہ شمار ہوتا ہے۔“

- مسند احمد میں ہے:

٢٧٠٤٣: عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أُمِّ مُبَشِّرٍ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ غَرَسَ غَرْسًا أَوْ زَرَعَ زَرْعًا فَأَكَلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ سَبُعٌ أَوْ دَابَّةٌ أَوْ طَيْرٌ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ».

6۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جس شخص نے کوئی درخت اُگایا، پھر اس سے کوئی انسان یا اللہ کی مخلوقات میں سے کوئی بھی مخلوق کچھ کھالیتی ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ شمار ہوتا ہے۔“

- مسند احمد میں ہے:

٢٧٥٠٦: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ بَحْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ قَالَ: حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ عَجْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْقَاسِمُ مَوْلَى بَنِي يَزِيدَ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ: أَنَّ رَجُلًا مَرَّ بِهِ وَهُوَ يَغْرِسُ غَرْسًا بِدِمَشْقَ فَقَالَ لَهُ: أَتَفْعَلُ هَذَا وَأَنْتَ صَاحِبُ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ فَقَالَ: لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ غَرَسَ غَرْسًا لَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ آدَمِيٌّ وَلَا خَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةً».

7۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جب مسلمان کوئی کھیتی اگاتا ہے، پھر اس سے کوئی انسان، کوئی جن، کوئی پرندہ یا کوئی بھی چیز کچھ کھالیتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ شمار ہوتا ہے۔''

- مستخرج ابی عوانہ میں ہے:

٥١٩٢- عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَائِرٌ وَلَا جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ وَلَا أَحَدٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ».

8۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جس شخص نے کوئی درخت اگایا، پھر اس میں سے جو کچھ بھی کھایا جائے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہے، اور جو کچھ بھی چوری کیا جائے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہے، اور جو کچھ بھی پرندہ اس میں سے کھالے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہے۔''

- مستخرج ابی عوانہ میں ہے:

٥١٨٦: عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ غَرَسَ غَرْسًا فَمَا أُكِلَ مِنْهُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا سُرِقَ مِنْهُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا أَكَلَ الطَّيْرُ مِنْهُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ».

9۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس علم حاصل کرنے کی غرض سے کچھ طلبہ آئے، تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ درخت لگا رہے ہیں، تو ان طلبہ نے تعجب سے عرض کیا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہو کر یہ دنیوی کام کر رہے ہیں؟؟ تو حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''جس شخص نے کوئی درخت اُگایا، تو اس میں سے کوئی انسان، پرندہ یا کوئی اور جانور جو کچھ بھی کھاتا ہے تو اللہ اس کو اس کا اجر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ خشک نہ ہو جائے۔''

- الترغیب والترہیب میں ہے:

٤٥٤: عَنْ ثَابِتِ بْنِ عَجْلَانَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: جَاءَ قَوْمٌ إِلَى أَبِي الدَّرْدَاءِ يَطْلُبُونَ الْعِلْمَ، فَوَجَدُوهُ يَغْرِسُ غَرْسًا مُقْبِلًا عَلَى غَرْسِهِ، فَقَالُوا: يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ، أَنْتَ صَاحِبُ رَسُولِ اللهِ ﷺ مُقْبِلًا عَلَى الدُّنْيَا؟ فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ غَرَسَ غَرْسًا أَجْرَى اللهُ لَهُ

أَجْرَ مَنْ أَكَلَ مِنْهُ مِنْ إِنْسَانٍ أَوْ طَيْرٍ أَوْ دَابَّةٍ حَتَّى يَيْبَسَ».

اس سے معلوم ہوا کہ درخت لگانا کوئی دنیوی کام نہیں کہ اس کو دنیاوی کام سمجھ کر نظر انداز کیا جائے بلکہ درخت لگانا اجر وثواب کا کام ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ درخت کو پانی دیتے رہنا چاہیے تاکہ خشک ہو کر اس کے دنیوی واُخروی فوائد ختم نہ ہو جائیں۔

10۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ’’جس نے کوئی عمارت تعمیر کی یا کوئی درخت لگایا کسی ظلم وزیادتی کے بغیر (یعنی جائز طریقے سے،) تو جب تک مخلوقِ خدا اس سے فائدہ اٹھاتی رہے گی تو اس کو مسلسل اجر ملتا رہے گا۔‘‘

- مسند احمد میں ہے:

١٥٦١٦: عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «مَنْ بَنَى بُنْيَانًا مِنْ غَيْرِ ظُلْمٍ وَلَا اعْتِدَاءٍ أَوْ غَرَسَ غَرْسًا فِي غَيْرِ ظُلْمٍ وَلَا اعْتِدَاءٍ: كَانَ لَهُ أَجْرٌ جَارٍ مَا انْتُفِعَ بِهِ مِنْ خَلْقِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى».

یہ حدیث المعجم الکبیر میں بھی ہے:

٤١٠: عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ بَنَى بُنْيَانًا فِي غَيْرِ ظُلْمٍ وَلَا اعْتِدَاءٍ، أَوْ غَرَسَ غَرْسًا فِي غَيْرِ ظُلْمٍ وَلَا اعْتِدَاءٍ: كَانَ لَهُ أَجْرًا جَارِيًا مَا انْتَفَعَ بِهِ أَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ».

یعنی اس تعمیر اور درخت سے جتنی مخلوقات فائدہ اٹھاتی رہیں گی تو اس کو اجر ملتا رہے گا۔

11۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ’’جب کوئی شخص کوئی درخت اگاتا ہے تو جتنا پھل اس میں سے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بقدر اس کے لیے اجر لکھ دیتا ہے۔‘‘

- مسند احمد میں ہے:

٢٣٥٢٠: عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «مَا مِنْ رَجُلٍ يَغْرِسُ غَرْسًا إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ قَدْرَ مَا يَخْرُجُ مِنْ ثَمَرِ ذَلِكَ الْغِرَاسِ».

سبحان اللہ! درخت پر جتنے پھل لگیں گے اتنا ہی اجر ملتا رہے گا۔ یہ مضمون متعدد احادیث میں آیا ہے:

- الترغیب والترہیب میں ہے:

٤٥٦: عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ غَرَسَ غَرْسًا فَأَثْمَرَ أَعْطَاهُ اللهُ بِكُلِّ ثَمَرَةٍ عَدَدَ مَا يَخْرُجُ مِنَ الثَّمَرَةِ حَسَنَاتٍ».

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’جس شخص نے کوئی درخت اگایا اور اس میں پھل نکل آیا تو اللہ اس کو پھلوں کے بقدر نیکیاں عطا کرتا ہے۔‘‘

- المعجم الکبیر میں ہے:

٣٩٦٨: عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ يَغْرِسْ غَرْسًا كَتَبَ اللهُ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ بِقَدْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْ ثَمَرِ ذَلِكَ الْغِرَاسِ».

- معجم ابی یعلی میں ہے:

١٨٥: عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ غَرَسَ غَرْسًا فَأَثْمَرَ كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ بِقَدْرِ ذَلِكَ الثَّمَرِ».

12۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’سات طرح کی چیزیں ایسی ہیں جن کا اجر انسان کو موت کے بعد بھی ملتا رہتا ہے حالاں کہ وہ قبر میں ہوتا ہے:

1. علم سکھانے کا۔
2. نہر کھدوانے کا۔
3. کنواں کھدوانے کا۔
4. درخت لگانے کا۔
5. مسجد بنانے کا۔
6. قرآن مجید وراثت میں چھوڑ جانے کا (کہ لوگ اس سے تلاوت کرتے رہیں)۔
7. ایسی اولاد چھوڑ جانے کا جو اس کے لیے موت کے بعد استغفار کرتی ہو۔‘‘

- معجم ابی یعلی میں ہے:

٧٢٨٩: عَن قَتادة عَن أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُول اللهِ ﷺ: «سَبْعٌ يَجْرِي لِلْعَبْدِ أَجْرُهُنَّ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ، وهُو فِي قَبْرِهِ: مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا، أَوْ كَرَى نَهْرًا، أَوْ حَفَرَ بِئْرًا، أَوْ غَرَسَ نَخْلا، أَوْ بَنَى مَسْجِدًا، أَوْ وَرَّثَ مُصْحَفًا، أَوْ تَرَكَ وَلَدًا يَسْتَغْفِرُ لَهُ بَعْدَ مَوْتِهِ».

13۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: ”اگر قیامت قائم ہونے لگے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں پودا ہو (جس کو وہ لگانا چاہ رہا ہو) تو اگر قیامت قائم ہونے سے پہلے اسے لگا سکتا ہے تو ضرور لگالے۔“

- اتحاف الخیرۃ المہرۃ میں ہے:

٢٩٤٤: عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ الله عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله ﷺ: «إِنْ قَامَتِ السَّاعَةُ وَفِي يَدِ أَحَدِكُمْ فَسِيلَةٌ، فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا تَقُومَ السَّاعَةُ حَتَّى يَغْرِسَهَا فَلْيَفْعَلْ».

احادیث مبارکہ سے ثابت ہونے والے امور:

ماقبل میں مذکور احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- درخت لگانا کوئی دنیوی کام نہیں کہ اس کو دنیاوی کام سمجھ کر نظر انداز کیا جائے بلکہ درخت لگانا عظیم الشان اجر وثواب کا کام ہے، اس لیے اس معاملے میں بھی اپنا زاویہ نگاہ تبدیل کرنا چاہیے۔
- درخت سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی بھی مخلوق چاہے انسان ہو، پرندے ہوں، درندے ہوں، کیڑے مکوڑے ہوں، یا کوئی بھی جانور کچھ کھالے یا کسی بھی قسم کا کوئی فائدہ اٹھائے تو یہ درخت لگانے والے کے لیے صدقہ اور باعثِ اجر ہے۔
- کوئی شخص چوری چھپے یا بغیر اجازت کے اس درخت سے کچھ کھالے تو اس کا بھی اس درخت لگانے والے کو اجر ملتا ہے۔
- درخت لگانے میں اگر وہ ثواب کی نیت نہ بھی کرے تب بھی اس کو اجر ملتا ہے کیوں کہ یہ مخلوقِ خدا کو نفع رسانی

کے کام آرہا ہے جو بذاتِ خود نیکی ہے۔

- اس درخت پر جتنے بھی پھل اُگتے ہیں اُن کے بقدر اس کو اجر ملتا ہے اور اتنی ہی نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔
- درخت لگانا صدقہ جاریہ ہے، جس کا اجر موت کے بعد بھی ملتا ہے۔
- درخت لگانا اس قدر اہم اور کر گزرنے والے کاموں میں سے ہے کہ اگر قیامت قائم ہونے لگے اور کسی کے ہاتھ میں پودا ہو جس کو وہ لگانا چاہ رہا ہو تو اگر قیامت قائم ہونے سے پہلے اسے لگا سکتا ہے تو لگا لے۔

ان تمام امور سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیوی اور اخروی اعتبار سے درخت لگانے کا کس قدر عظیم نفع ہے۔ اللہ تعالی ہر ایک کو توفیق عطا فرمائے۔

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
14 جُمادی الثانیہ 1441ھ/9فروری 2020

مقالہ نمبر 11:

مسبوق کا امام کے ساتھ سجدہ سہو میں سلام پھیرنے کا حکم

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

مسئلہ کی وضاحت:

مسبوق سے مراد وہ شخص ہے جس سے جماعت کی نماز میں ایک یا ایک سے زائد رکعتیں نکل چکی ہوں۔ مسبوق شخص سے متعلق ایک نہایت ہی اہم مسئلہ یہ ہے کہ جب امام سجدہ سہو کرنا چاہے تو یہ مسبوق شخص امام کے ساتھ سجدہ سہو میں سلام پھیرے گا یا نہیں، اس حوالے سے بہت سے لوگ غلطی کا شکار ہیں۔ ذیل میں اس مسئلہ کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے جس سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ صحیح مسئلے سے لاعلمی کے نتیجے میں بہت سے لوگوں کی نماز ہی نہیں ہوتی اور انھیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا!!

مسبوق امام کے ساتھ سجدہ سہو میں سلام نہیں پھیرے گا:

مسبوق شخص امام کے ساتھ سجدہ سہو میں سلام نہیں پھیرے گا، البتہ سجدہ ضرور کرے گا۔

اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سجدہ سہو میں سلام پھیر دیا:

اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سجدہ سہو میں سلام پھیر دیا تو اس کی دو صورتیں ہیں:

1۔ اگر مسبوق کو یہ یاد تھا کہ میں مسبوق ہوں یعنی میرے ذمے نماز باقی ہے لیکن اس کے باوجود بھی اس نے امام کے ساتھ سجدہ سہو میں سلام پھیر دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، چاہے اس کو مسئلہ معلوم ہو یا نہ ہو، ایسی صورت میں وہ از سرِ نو دوبارہ نماز ادا کرے گا۔

2۔ اگر مسبوق نے بھول کر سلام پھیرا ہے یعنی اسے یہ یاد ہی نہ رہا کہ میں مسبوق ہوں یعنی میرے ذمے نماز باقی ہے تو اس سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی، بلکہ اس کی نماز درست ہے۔

- احسن الفتاویٰ میں ہے:

’’مسبوق امام کے ساتھ سجدہ سہو کرتے وقت سلام نہ پھیرے، بغیر سلام کے سجدہ کرے، اگر مسبوق نے سلام پھیر دیا حالاں کہ اسے اپنا مسبوق ہونا یاد بھی تھا یعنی یہ یاد تھا کہ اس کے ذمہ نماز کا کچھ حصہ باقی ہے تو اس سے نماز فاسد ہو گئی، البتہ اگر سہواً سلام پھیرا یعنی اسے اپنا مسبوق ہونا یاد نہیں تھا تو نماز فاسد نہ ہو گی، اگر

مسبوق ہونا یاد تھا مگر مسئلہ سے جہالت کی وجہ سے سلام پھیر دیا تو بھی نماز جاتی رہی، اس لیے کہ جہالت عذر نہیں۔" (4/ 24)

فقہی عبارات

- الهندية:

الْمَسْبُوقَ إِذَا سَلَّمَ على ظَنِّ أَنَّ عليه أَنْ يُسَلِّمَ مع الْإِمَامِ فَهُوَ سَلَامٌ عَمْدٌ يَمْنَعُ الْبِنَاءَ، كَذَا في «الْخُلَاصَةِ» في مِمَّا يَتَّصِلُ بِمَسَائِلِ الِاقْتِدَاءِ مَسَائِلُ الْمَسْبُوقِ، وَهَكَذَا في «فَتَاوَى قَاضِي خَانْ» في فَصْلِ فِيمَنْ يَصِحُّ الِاقْتِدَاءُ بِهِ، وَلَوْ سَلَّمَ الْمَسْبُوقُ مع الْإِمَامِ يُنْظَرُ إنْ كان ذَاكِرًا لِمَا عليه من الْقَضَاءِ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ، وَإِنْ كان سَاهِيًا لِمَا عليه من الْقَضَاءِ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ؛ لِأَنَّهُ سَلَامُ السَّاهِي فَلَا يُخْرِجُهُ عن حُرْمَةِ الصَّلَاةِ، كَذَا في «شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ» في بَابِ سُجُودِ السَّهْوِ.

(الْبَابُ السَّابِعُ فِيمَا يُفْسِدُ الصَّلَاةَ)

- رد المحتار:

قوله: (والمسبوق يسجد مع إمامه) قيد بالسجود؛ لأنه لا يتابعه في السلام بل يسجد معه، ويتشهد، فإذا سلم الإمام قام إلى القضاء، فإن سلم: فإن كان عامدا فسدت، وإلا لا.

(باب سجود السهو)

- بدائع الصنائع:

ثُمَّ الْمَسْبُوقُ إنَّمَا يُتَابِعُ الْإِمَامَ فِي السَّهْوِ دُونَ السَّلَامِ، بَلْ يَنْتَظِرُ الْإِمَامَ حَتَّى يُسَلِّمَ فَيَسْجُدَ فَيُتَابِعُهُ فِي سُجُودِ السَّهْوِ لَا فِي سَلَامِهِ، وَإِنْ سَلَّمَ: فَإِنْ كَانَ عَامِدًا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ، وَإِنْ كَانَ سَاهِيًا لَا تَفْسُدُ، وَلَا سَهْوَ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ مُقْتَدٍ، وَسَهْوُ الْمُقْتَدِي بَاطِلٌ، فَإِذَا سَجَدَ الْإِمَامُ لِلسَّهْوِ يُتَابِعُهُ فِي السُّجُودِ وَيُتَابِعُهُ فِي التَّشَهُّدِ.

(فَصْلٌ: بَيَانُ من يَجِبُ عليه سُجُودُ السَّهْوِ وَمَنْ لَا يَجِبُ عليه)

- تبیین الحقائق:

(قَوْلُهُ، وَلَوْ سَلَّمَ الْمَسْبُوقُ مَعَ الْإِمَامِ إلَى آخِرِهِ) هَذَا إذَا سَلَّمَ سَاهِيًا أَمَّا إذَا سَلَّمَ مَعَ عِلْمِهِ أَنَّهُ مَسْبُوقٌ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ؛ لِأَنَّ سَلَامَ الْعَمْدِ بِمَنْزِلَةِ الْكَلَامِ فِي «شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ».

(باب سجود السهو)

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

23 جمادی الثانیہ 1441ھ/18 فروری 2020

مقالہ نمبر 12:

نماز

کے سلام میں نیّت کرنے کا تفصیلی حکم

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

نماز کے سلام کا فلسفہ:

نماز کے آخر میں جو سلام پھیرا جاتا ہے اس کے دو پہلو اور مقاصد ہوتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1۔ تَحْلِیل:

تحلیل کے معنی ہیں: حلال کرنا، جائز کرنا۔ نماز کے سلام کا ایک مقصد تحلیل بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز شروع کرتے وقت تکبیرِ تحریمہ کی وجہ سے ایسے بہت سے کام حرام اور ممنوع ہو جاتے ہیں جو نماز کے خلاف اور مُنافِی ہوں، کیوں کہ ان کی وجہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے یا کم از کم مکروہ ہو جاتی ہے، پھر جب نماز کے آخر میں سلام پھیر دیا جاتا ہے تو وہ تمام کام دوبارہ حلال اور جائز ہو جاتے ہیں جو نماز کی وجہ سے ممنوع ہو گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تحلیل درحقیقت تحریمہ کے مقابلے میں ہے کہ نماز کے آغاز میں تکبیرِ تحریمہ تحریم کے لیے ہوتی ہے جبکہ نماز کے اختتام پر سلام تحلیل کے لیے ہوتا ہے۔

2۔ تَحِیَّہ:

سلام کا دوسرا مقصد تحیہ ہے، تحیہ کے معنی ہیں: سلام کرنا، سلامتی کی دعا کرنا۔ یہ جو روزمرہ کی زندگی میں مسلمان ایک دوسرے کو سلام کر رہے ہوتے ہیں اس کو تحیہ ہی کہا جاتا ہے، گویا کہ نماز کے سلام کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ بھی روزمرہ کے سلام ہی کی طرح ایک سلام اور سلامتی کی دعا ہے، اس لیے جس طرح ہم عام زندگی میں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں اسی طرح نماز کے سلام میں بھی یہی نیت کرنی چاہیے۔

اس تفصیل سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ بہت سے لوگ اس سے لاعلم ہیں کہ نماز کے سلام میں بھی دوسروں کو سلام کرنے کی نیت کرنی چاہیے۔ ذیل میں اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

نماز کے آخر میں سلام پھیرتے وقت نیت کرنے کا حکم:

نماز کے سلام میں چوں کہ ایک پہلو تحِیہ یعنی سلام کرنے کا بھی ہے اس لیے نماز کے آخر میں سلام پھیرتے وقت انسانوں، فرشتوں اور نیک جِنّات کی نیت کرنا سنت ہے، یعنی یہ نیت ہونی چاہیے کہ میں ان کو

سلام کر رہا ہوں۔اور یہ ایسی سنت ہے جس سے بہت سے لوگ لاعلم ہیں۔اس کی مزید تفصیل درج ذیل ہے۔

امام کے لیے سلام پھیرتے وقت نیت کی تفصیل:

امام دائیں طرف سلام پھیرتے وقت یہ نیت کرے کہ دائیں طرف جو مقتدی، فرشتے اور نیک جِنّات ہیں اُن کو سلام کر رہا ہوں، اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں طرف موجود مقتدیوں، فرشتوں اور نیک جِنّات کو سلام کرنے کی نیت کرے۔

مقتدی کے لیے سلام پھیرتے وقت نیت کی تفصیل:

1۔جماعت کی نماز میں مقتدی دائیں طرف سلام پھیرتے وقت یہ نیت کرے کہ دائیں طرف جو انسان، فرشتے اور نیک جِنّات ہیں اُن کو سلام کر رہا ہوں، اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں طرف موجود انسانوں، فرشتوں اور نیک جِنّات کو سلام کرنے کی نیت کرے۔

2۔ مقتدی چوں کہ امام کی اقتدا میں ہوتا ہے اس لیے مقتدی سلام پھیرتے وقت انسانوں، فرشتوں اور نیک جِنّات کے ساتھ ساتھ امام کی بھی نیت کرے گا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ امام اگر مقتدی کے دائیں جانب ہے تو دائیں جانب سلام پھیرتے وقت امام کی بھی نیت کرے، اور اگر امام مقتدی کے بائیں جانب ہے تو بائیں جانب سلام پھیرتے وقت امام کی بھی نیت کرے، اور اگر مقتدی امام کے بالکل سیدھ میں پیچھے کھڑا ہے تو پھر دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام پھیرتے وقت امام کی بھی نیت کرے۔

3۔جو مقتدی مسبوق ہو یعنی اس سے ایک یا ایک سے زائد رکعات نکل چکی ہوں تو وہ جب امام کے سلام کے بعد اپنی بقیہ نماز مکمل کرلے تو اس میں سلام پھیرتے وقت صرف فرشتوں اور نیک جِنّات کی نیت کرے۔

منفرد کے لیے سلام پھیرتے وقت نیت کی تفصیل:

منفرد یعنی اکیلے نماز ادا کرنے والا شخص دائیں طرف سلام پھیرتے وقت یہ نیت کرے کہ دائیں طرف

جو فرشتے اور نیک جِنّات ہیں اُن کو سلام کر رہا ہوں، اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں طرف موجود فرشتوں اور نیک جِنّات کو سلام کرنے کی نیت کرے۔ یہی حکم عورت کے لیے بھی ہے۔

احادیث مبارکہ اور فقہی عبارات

- سنن ابی داود:

٦١- عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ عَنْ عَلِيٍّ رضى الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ».

- سنن ابی داود:

١٠٠٣- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ أَبُو الْجَمَاهِرِ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ بَشِيرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ: أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ نَرُدَّ عَلَى الإِمَامِ وَأَنْ نَتَحَابَّ وَأَنْ يُسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ.

- مستدرک حاکم:

٩٩٥- عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ: أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ نَرُدَّ عَلَى الْإِمَامِ، وَأَنْ نَتَحَابَّ، وَأَنْ يُسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ». هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَسَعِيدُ بْنُ بَشِيرٍ إِمَامُ أَهْلِ الشَّامِ فِي عَصْرِهِ إِلَّا أَنَّ الشَّيْخَيْنِ لَمْ يُخَرِّجَاهُ بِمَا وَصَفَهُ أَبُو مُسْهِرٍ مِنْ سُوءِ حِفْظِهِ، وَمِثْلُهُ لَا يَنْزِلُ بِهَذَا الْقَدْرِ.
التعليق من تلخيص الذهبي: صحيح.

- صحیح ابن خزیمہ:

١٧١٠- عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ نُسَلِّمَ عَلَى أَئِمَّتِنَا وَأَنْ يَرُدَّ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ. قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ: وَأَنْ يُسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ. زَادَ إِبْرَاهِيمُ: قَالَ هَمَّامٌ: يَعْنِي فِي الصَّلَاةِ. (بَابُ رَدِّ الْمَأْمُومِ عَلَى الإِمَامِ إِذَا سَلَّمَ الإِمَامُ عِنْدَ انْقِضَاءِ الصَّلَاةِ)

- فتاویٰ ہندیہ:

قال الْفَقِيهُ أبو جَعْفَرٍ: الْمُخْتَارُ أَنْ يَنْتَظِرَ إذَا سَلَّمَ الْإِمَامُ عن يَمِينِهِ يُسَلِّمُ الْمُقْتَدِي عن يَمِينِهِ، وإذا فَرَغَ عن يَسَارِهِ يُسَلِّمُ الْمُقْتَدِي عن يَسَارِهِ، كَذَا في «فتَاوَى قَاضِي خَانْ». وَيَنْوِي من عِنْدَهُ

من الْحَفَظَةِ وَالْمُسْلِمِينَ في جَانِبَيْهِ، كَذَا في «الزَّاهِدِيِّ». وَلَا يَنْوِي النِّسَاءَ في زَمَانِنَا، وَلَا من لَا شَرِكَةَ له في صَلَاتِهِ، هو الصَّحِيحُ، كَذَا في «الْهِدَايَةِ». وَالْمُقْتَدِي يَحْتَاجُ إلَى نِيَّةِ الْإِمَامِ مع نِيَّةِ من ذَكَرْنَا فَإِنْ كان الْإِمَامُ في الْجَانِبِ الْأَيْمَنِ نَوَاهُ فِيهِمْ، وَإِنْ كان في الْجَانِبِ الْأَيْسَرِ نَوَاهُ فِيهِمْ، وَإِنْ كان بِحِذَائِهِ نَوَاهُ في الْجَانِبِ الْأَيْمَنِ عِنْدَ أبي يُوسُفَ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ: يَنْوِيهِ فِيهِمَا، كَذَا في «الْمُحِيطِ»، وهو رِوَايَةٌ عن أبي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، كَذَا في «الْكَافِي»، وفي «الْفَتَاوَى»: هو الصَّحِيحُ، كَذَا في «التَّتَارْخَانِيَّة». وَالْمُنْفَرِدُ يَنْوِي الْحَفَظَةَ لَا غَيْرُ، وَلَا يَنْوِي في الْمَلَائِكَةِ عَدَدًا مَحْصُورًا، كَذَا في «الْهِدَايَةِ». (الْفَصْلُ الثَّالِثُ في سُنَنِ الصَّلَاةِ وَآدَابِهَا وَكَيْفِيَّتِهَا)

- **الدر المختار:**

(وَيَنْوِي) الْإِمَامُ بِخِطَابِهِ (السَّلَامَ عَلَى مَنْ فِي يَمِينِهِ وَيَسَارِهِ) مِمَّنْ مَعَهُ فِي صَلَاتِهِ، وَلَوْ جِنًّا أَوْ نِسَاءً، أَمَّا سَلَامُ التَّشَهُّدِ فَيَعُمُّ؛ لِعَدَمِ الْخِطَابِ (وَالْحَفَظَةُ فِيهِمَا) بِلَا نِيَّةِ عَدَدٍ كَالْإِيمَانِ بِالْأَنْبِيَاءِ .... (وَيَزِيدُ) الْمُؤْتَمُّ (السَّلَامَ عَلَى إمَامِهِ فِي التَّسْلِيمَةِ الْأُولَى إنْ كَانَ) الْإِمَامُ (فِيهَا وَإِلَّا فَفِي الثَّانِيَةِ، وَنَوَاهُ فِيهِمَا لَوْ مُحَاذِيًا، وَيَنْوِي الْمُنْفَرِدُ الْحَفَظَةَ فَقَطْ)، لَمْ يَقُل الْكَتَبَةُ؛ لِيَعُمَّ الْمُمَيِّزَ؛ إذْ لَا كَتَبَةَ مَعَهُ. وَلَعَمْرِي لَقَدْ صَارَ هَذَا كَالشَّرِيعَةِ الْمَنْسُوخَةِ لَا يَكَادُ يَنْوِي أَحَدٌ شَيْئًا إلَّا الْفُقَهَاءُ، وَفِيهِمْ نَظَرٌ.

- **رد المحتار:**

(قَوْلُهُ: وَيَنْوِي إلَخْ) أَيْ لِيَكُونَ مُقِيمًا لِلسُّنَّةِ، فَيَنْوِي ذَلِكَ كَسَائِرِ السُّنَنِ، وَلِذَا ذَكَرَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ أَنَّهُ إذَا سَلَّمَ عَلَى أَحَدٍ خَارِجَ الصَّلَاةِ يَنْوِي السُّنَّةَ، وَبِهِ انْدَفَعَ مَا أَوْرَدَهُ صَدْرُ الْإِسْلَامِ مِنْ أَنَّهُ لَا حَاجَةَ لِلْإِمَامِ إلَى النِّيَّةِ؛ لِأَنَّهُ يَجْهَرُ وَيُشِيرُ إلَيْهِمْ فَهُوَ فَوْقَ. «مُنْيَةٌ». اهـ. «بَحْرٌ» مُلَخَّصًا. وَجْهُ الدَّفْعِ أَنَّهُ لَا يَلْزَمُ مِن الْإِشَارَةِ إلَيْهِمْ بِالْخِطَابِ حُصُولُ النِّيَّةِ بِإِقَامَةِ الْقُرْبَةِ فَلَا بُدَّ مِنْهَا. أَقُولُ: وَأَيْضًا فَإِنَّ التَّحَلُّلَ مِن الصَّلَاةِ لِمَا وَجَبَ بِالسَّلَامِ كَانَ الْمَقْصُودُ الْأَصْلِيُّ مِنْهُ التَّحَلُّلَ لَا خِطَابَ الْمُصَلِّينَ، فَلَمَّا لَمْ يَكُنْ الْخِطَابُ مَقْصُودًا أَصَالَةً لَزِمَت النِّيَّةُ لِإِقَامَةِ السُّنَّةِ الزَّائِدَةِ عَلَى التَّحَلُّلِ الْوَاجِبِ؛ إذْ لَوْلَاهَا لَبَقِيَ السَّلَامُ لِمُجَرَّدِ التَّحَلُّلِ دُونَ التَّحِيَّةِ، فَتَدَبَّرْ. (قَوْلُهُ: السَّلَامَ) مَفْعُولُ

«يَنْوِي» وَهُوَ اسْمُ مَصْدَرٍ بِمَعْنَى التَّسْلِيمِ. (قَوْلُهُ: مِمَّنْ مَعَهُ فِي صَلَاتِهِ) هَذَا قَوْلُ الْجُمْهُورِ، وَقِيلَ: مَنْ مَعَهُ فِي الْمَسْجِدِ، وَقِيلَ: إِنَّهُ يَعُمُّ كَسَلَامِ التَّشَهُّدِ. «حلْبَةٌ». (قَوْلُهُ: أَوْ نِسَاءً) صَرَّحَ بِهِ مُحَمَّدٌ فِي «الْأَصْلِ»، وَمَا فِي كَثِيرٍ مِن الْكُتُبِ مِنْ أَنَّهُ لَا يَنْوِيهِنَّ فِي زَمَانِنَا مَبْنِيٌّ عَلَى عَدَمِ حُضُورِهِنَّ الْجَمَاعَةَ، فَلَا مُخَالَفَةَ بَيْنَهُمَا؛ لِأَنَّ الْمَدَارَ عَلَى الْحُضُورِ وَعَدَمِهِ، حَتَّى لَوْ حَضَرَ خَنَاثَى أَوْ صِبْيَانٌ نَوَاهُمْ أَيْضًا. «حلْبَةٌ» وَ«بَحْرٌ»، لَكِن فِي «النَّهْرِ» أَنَّهُ لَا يَنْوِي النِّسَاءَ وَإِنْ حَضَرْنَ؛ لِكَرَاهَةِ حُضُورِهِنَّ. (قَوْلُهُ: فَيَعُمُّ إلَخْ) وَلِذَا وَرَدَ «إِذَا قَالَ الْعَبْدُ: السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ للهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ». (قَوْلُهُ: وَالْحَفَظَةِ) بِالْجَرِّ عَطْفًا عَلَى «مَنْ»، وَلَمْ يَقُل الْكَتَبَةَ؛ لِيَشْمَلَ مَنْ يَحْفَظُ أَعْمَالَ الْمُكَلَّفِ وَهُمُ الْكِرَامُ الْكَاتِبُونَ، وَمَنْ يَحْفَظُهُ مِن الْجِنِّ وَهُم الْمُعَقِّبَاتُ، وَيَشْمَلُ كُلَّ مُصَلٍّ فَإِنَّ الْمُمَيِّزَ لَا كَتَبَةَ لَهُ، أَفَادَهُ فِي «الْحِلْبَةِ» وَ«الْبَحْرِ»، وَفِيهِ كَلَامٌ يَأْتِي عَلَى أَنَّ الْكَلَامَ هُنَا فِي الْإِمَامِ وَلَا يَكُونُ صَبِيًّا. (قَوْلُهُ: فِيهِمَا) أَيْ فِي الْيَمِينِ وَالْيَسَارِ. (قَوْلُهُ: بِلَا نِيَّةِ عَدَدٍ) أَيْ لِلِاخْتِلَافِ فِيهِ، فَقِيلَ: مَعَ كُلِّ مُؤْمِنٍ اثْنَانِ، وَقِيلَ: أَرْبَعَةٌ، وَقِيلَ: خَمْسَةٌ، وَقِيلَ: عَشَرَةٌ، وَقِيلَ: مِائَةٌ وَسِتُّونَ، وَقِيلَ غَيْرُ ذَلِكَ، وَتَمَامُهُ فِي «شُرُوحِ الْمُنْيَةِ» ...... (قَوْلُهُ: وَيَزِيدُ الْمُؤْتَمُّ إلَخْ) أَيْ يَزِيدُ عَلَى مَا تَقَدَّمَ مِنْ نِيَّةِ الْقَوْمِ وَالْحَفَظَةِ نِيَّةَ إمَامِهِ. (قَوْلُهُ: إنْ كَانَ الْإِمَامُ فِيهَا) أَيْ فِي التَّسْلِيمَةِ الْأُولَى: أَيْ فِي جِهَتِهَا. (قَوْلُهُ: وَإِلَّا) صَادَقَ بِالْمُحَاذَاةِ وَلَيْسَتْ مُرَادَةً لِذِكْرِهَا بَعْدُ، «ح». (قَوْلُهُ: إذْ لَا كَتَبَةَ مَعَهُ) أَفَادَ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْحَفَظَةِ حَفَظَةُ ذَاتِهِ مِن الْأَسْوَاءِ لَا حَفَظَةُ الْأَعْمَالِ، وَهُمَا قَوْلَانِ كَمَا مَرَّ، لَكِنَّ الصَّحِيحَ أَنَّ حَسَنَاتِ الصَّبِيِّ لَهُ وَلِوَالِدَيْهِ ثَوَابُ التَّعْلِيمِ، وَلِذَا ذَكَرَ اللَّقَانِيُّ أَنَّهُ تُكْتَبُ حَسَنَاتُهُ، فَمُقْتَضَاهُ أَنَّ لَهُ كَاتِبَ حَسَنَاتٍ. (قَوْلُهُ: وَلَعَمْرِي) قَسَمٌ وَتَقَدَّمَ الْكَلَامُ عَلَيْهِ فِي خُطْبَةِ الْكِتَابِ. (قَوْلُهُ: هَذَا) أَيْ مَا ذَكَرَهُ مِن النِّيَّةِ. وَفِي «الْحِلْبَةِ» عَنْ صَدْرِ الْإِسْلَامِ: هَذَا شَيْءٌ تَرَكَهُ جَمِيعُ النَّاسِ؛ لِأَنَّهُ قَلَّمَا يَنْوِي أَحَدٌ شَيْئًا. قَالَ فِي «غَايَةِ الْبَيَانِ»: وَهَذَا حَقٌّ؛ لِأَنَّ النِّيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ صَارَتْ كَالشَّرِيعَةِ الْمَنْسُوخَةِ، وَلِهَذَا لَوْ سَأَلْت أُلُوفَ أُلُوفٍ مِن النَّاسِ: أَيُّ شَيْءٍ نَوَيْت بِسَلَامِك لَا يَكَادُ يُجِيبُ أَحَدٌ مِنْهُمْ بِمَا فِيهِ طَائِلٌ إلَّا الْفُقَهَاءُ، وَفِيهِمْ نَظَرٌ. اهـ.

(كتاب الصلاة باب صفة الصلاة)

- **الموسوعة الفقهية الكويتية:**

وَأَكْمَلُهُ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ، يَمِينًا وَشِمَالًا مُلْتَفِتًا فِي الأُولَى حَتَّى يُرَى خَدُّهُ الأَيْمَنُ، وَفِي الثَّانِيَةِ حَتَّى يُرَى خَدُّهُ الأَيْسَرُ، نَاوِيًا السَّلَامَ عَمَّنْ عَنْ يَمِينِهِ وَيَسَارِهِ مِنْ مَلَائِكَةٍ وَإِنْسٍ وَصَالِحِ الْجِنِّ. وَيَنْوِي الإِمَامُ أَيْضًا -زِيَادَةً عَلَى مَا سَبَقَ- السَّلَامُ عَلَى الْمُقْتَدِينَ، وَهُمْ يَنْوُونَ الرَّدَّ عَلَيْهِ وَعَلَى مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، فَيَنْوِيهِ الْمُقْتَدُونَ عَنْ يَمِينِ الإِمَامِ عِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ بِالتَّسْلِيمَةِ الثَّانِيَةِ، وَعَنْ يَسَارِهِ بِالتَّسْلِيمَةِ الأُولَى. وَلِحَدِيثِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَال: أَمَرَنَا رَسُول اللهِ ﷺ أَنْ نَرُدَّ عَلَى الإِمَامِ، وَأَنْ نَتَحَابَّ، وَأَنْ يُسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ.
(التَّسْلِيمُ لِلْخُرُوجِ مِنَ الصَّلَاةِ)

- **حلبی صغیر:**

(وينوي) في خطابه بـ«عليكم» (بالتسليمة الأولى من هو عن يمينه من الملائكة والمؤمنين) المشاركين له في صلاته دون غيرهم، (و) يفعل في السلام (عن يساره مثل ذلك) أي يقول: السلام عليكم ورحمة الله، وينوي به من هو عن يساره من الملائكة والمؤمنين، والتسليمة الأولى للتحية والخروج من الصلاة، والثانية للتسوية بين القوم في التحية.
(فصل في صفة الصلاة)

- **بدائع الصنائع:**

وَمِنْهَا: أَنْ يَنْوِيَ من يُخَاطِبُهُ بِالتَّسْلِيمِ؛ لِأَنَّ خِطَابَ من لَا يَنْوِي خِطَابَهُ لَغْوٌ وَسَفَهٌ، ثُمَّ لَا يَخْلُو إمَّا إنْ كان إمَامًا أو مُنْفَرِدًا أو مُقْتَدِيًا، فَإِنْ كان إمَامًا يَنْوِي بِالتَّسْلِيمَةِ الْأُولَى من على يَمِينِهِ من الْحَفَظَةِ وَالرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ، وَبِالتَّسْلِيمَةِ الثَّانِيَةِ من على يَسَارِهِ منهم ...... ثُمَّ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ في كَيْفِيَّةِ نِيَّةِ الْحَفَظَةِ قال بَعْضُهُمْ: يَنْوِي الْكِرَامَ الْكَاتِبِينَ وَاحِدًا عن يَمِينِهِ وَوَاحِدًا عن يَسَارِهِ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يَنْوِي الْحَفَظَةَ عن يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ، وَلَا يَنْوِي عَدَدًا؛ لِأَنَّ ذلك لَا يُعْرَفُ بِطَرِيقِ الْإِحَاطَةِ، وَكَذَا اخْتَلَفُوا في كَيْفِيَّةِ نِيَّةِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ قال بَعْضُهُمْ: يَنْوِي من كان معه في الصَّلَاةِ من الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ لَا غَيْرُ، وكان الْحَاكِمُ الشَّهِيدُ يقول: يَنْوِي جَمِيعَ

رِجَالِ الْعَالَمِ وَنِسَائِهِمْ من الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ؛ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ خِطَابٌ، وَخِطَابُ الْغَائِبِ مِمَّنْ لَا يَبْقَى خِطَابُهُ، وَلَيْسَ بِخَيْرٍ من خِطَابِ من يَبْقَى خِطَابُهُ غَيْرُ صَحِيحٍ. وَإِنْ كان مُنْفَرِدًا فَعَلَى قَوْلِ الْأَوَّلِينَ يَنْوِي الْحَفَظَةَ لَا غير، وَعَلَى قَوْلِ الْحَاكِمِ يَنْوِي الْحَفَظَةَ وَجَمِيعَ الْبَشَرِ من أَهْلِ الْإِيمَانِ. وَأَمَّا الْمُقْتَدِي فَيَنْوِي ما يَنْوِي الْإِمَامُ، وَيَنْوِي الإمام أَيْضًا إنْ كان على يَمِينِ الْإِمَامِ يَنْوِيهِ في يَسَارِهِ، وَإِنْ كان على يَسَارِهِ يَنْوِيهِ في يَمِينِهِ، وَإِنْ كان بِحِذَائِهِ فَعِنْدَ أبي يُوسُفَ: يَنْوِيهِ في يَمِينِهِ، وَهَكَذَا ذُكِرَ في بَعْضِ نُسَخِ «الْجَامِعِ الصَّغِيرِ»؛ لِأَنَّ لِلْيَمِينِ فَضْلًا على الْيَسَارِ، وَرَوَى الْحَسَنُ عن أبي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَنْوِيهِ في الْجَانِبَيْنِ جميعا، وَهَكَذَا ذُكِرَ في بَعْضِ نُسَخِ «الْجَامِعِ الصَّغِيرِ»، وهو قَوْلُ مُحَمَّدٍ؛ لِأَنَّ يَمِينَ الْإِمَامِ عن يَمِينِ الْمُقْتَدِي وَيَسَارَهُ عن يَسَارِهِ فَكَانَ له حَظٌّ في الْجَانِبَيْنِ فَيَنْوِيهِ في التَّسْلِيمَتَيْنِ، وَاللهُ أَعْلَمُ. (سنن الصلاة)

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

24 جمادی الثانیہ 1441ھ/19 فروری 2020

مقالہ نمبر 13:

نماز کی حالت میں مرد کے لیے ٹخنے چھپانے کا حکم

فہرست:

- عام حالات میں مردوں کے لیے ٹخنے چھپانے پر شدید وعید۔
- نماز کی حالت میں مرد کے لیے ٹخنے چھپانے پر وعید۔
- نماز کی حالت میں ٹخنے چھپانے کا حکم اور اس کا حل۔
- نماز کے لیے ٹخنے کھولنے سے متعلق ایک غلط فہمی کا اِزالہ۔

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

عام حالات میں مردوں کے لیے ٹخنے چھپانے پر شدید وعید:

متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ مردوں کے لیے کھڑے ہونے کی حالت میں شلوار، لنگی یا پتلون وغیرہ کے ذریعے ٹخنے چھپانا ناجائز اور بڑا گناہ ہے جس پر شدید وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ ذیل میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

1۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’ٹخنوں کا جس قدر حصہ بھی شلوار یا لنگی وغیرہ سے چھپے گا تو اتنا حصہ جہنم میں جلے گا۔‘‘

- صحیح بخاری میں ہے:

٥٧٨٧- حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَفِي النَّارِ».

2۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’تین طرح کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُن سے [لُطف و کرم کی] گفتگو نہیں فرمائیں گے، اُن کو [رحمت کی نگاہ سے] نہیں دیکھیں گے، اُن کو [گناہوں سے] پاک نہیں کریں گے اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔‘‘ تو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ لوگ تو نامراد اور خسارے والے ہیں، اے اللہ کے رسول! یہ کون لوگ ہیں؟ تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

- ٹخنے چھپانے والا مرد۔
- جھوٹی قسم کھا کر اپنی مال فروخت کرنے والا۔
- احسان جتلانے والا۔‘‘

- صحیح مسلم میں ہے:

٣٠٦- عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ»، قَالَ: فَقَرَأَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ثَلَاثَ مِرَارٍ. قَالَ أَبُو ذَرٍّ: خَابُوا

وَخَسِرُوا، مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ».

٣٠٧- عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: الْمَنَّانُ الَّذِي لَا يُعْطِي شَيْئًا إِلَّا مَنَّهُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْفَاجِرِ، وَالْمُسْبِلُ إِزَارَهُ».

- سنن النسائی میں ہے:

٢٥٦٢- عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُم اللهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ» فَقَرَأَهَا رَسُولُ اللهِ، فَقَالَ أَبُو ذَرٍّ: خَابُوا وَخَسِرُوا خَابُوا وَخَسِرُوا، قَالَ: «الْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ، وَالْمَنَّانُ عَطَاءَهُ».

3۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”اللہ تعالیٰ ٹخنے چھپانے والے مرد کو رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے ہیں۔“

- المعجم الکبیر میں ہے:

١٢٤١٤- عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَنْظُرُ إِلَى مُسْبِلٍ إِزَارَهُ».

4۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”ٹخنے چھپانے سے بچو کیوں کہ یہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو ناپسند کرتا ہے۔“

- سنن ابی داود میں ہے:

٤٠٨٦- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ أَبِي غِفَارٍ: حَدَّثَنَا أَبُو تَمِيمَةَ الْهُجَيْمِيُّ عَنْ أَبِي جُرَيٍّ جَابِرِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ: رَأَيْتُ رَجُلًا يَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَأْيِهِ لَا يَقُولُ شَيْئًا إِلَّا صَدَرُوا عَنْهُ، قُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ قَالُوا: هَذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، قُلْتُ: عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللهِ مَرَّتَيْنِ. قَالَ: «لَا تَقُلْ عَلَيْكَ السَّلَامُ، فَإِنَّ «عَلَيْكَ السَّلَامُ» تَحِيَّةُ الْمَيِّتِ قُلِ: السَّلَامُ عَلَيْكَ» ...... وَارْفَعْ إِزَارَكَ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ فَإِنْ أَبَيْتَ فَإِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الإِزَارِ فَإِنَّهَا مِنَ الْمَخِيلَةِ وَإِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيلَةَ».

ان جیسی احادیث مبارکہ سے مردوں کے ٹخنے چھپانے کی وعید اور اس کا حکم بخوبی معلوم ہو جاتا ہے۔

تنبیہ:

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ٹخنے چھپانے کی ممانعت صرف شلوار، لنگی اور پتلون کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس میں قمیص، جبہ، چادر، عمامہ اور رومال سمیت اوپر سے آنے والی ہر وہ چیز داخل ہے جو مرد نے پہن یا اوڑھ رکھی ہو کہ وہ اتنی طویل نہیں ہونی چاہیے کہ اس کی وجہ سے کھڑے ہونے کی حالت میں مرد کے ٹخنے چھپ جائیں۔ اور یہ تو ظاہر سی بات ہے کہ اس میں موزے اور جوتے داخل نہیں۔

- سنن ابی داود میں ہے:

٤٠٩٦- حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْجُعْفِيُّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الإِسْبَالُ فِي الإِزَارِ وَالْقَمِيصِ وَالْعِمَامَةِ، مَنْ جَرَّ مِنْهَا شَيْئًا خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ».

نماز کی حالت میں مرد کے لیے ٹخنے چھپانے پر وعید:

جب ٹخنے چھپانا عام حالت میں سنگین گناہ ہے تو ظاہر ہے کہ نماز جیسی عظیم عبادت میں اس گناہ کے ارتکاب سے گناہ کی شدت میں اضافہ ہو جاتا ہے کیوں کہ عبادت کی ادائیگی میں گناہ کا ارتکاب بڑا جرم بن جاتا ہے، جیسا کہ مسجد میں گناہ کا ارتکاب گناہ کی سنگینی اور وبال میں اضافہ کر دیتا ہے۔ اس حوالے سے چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

1۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اس حال میں نماز ادا کر رہا تھا کہ اس کے ٹخنے چھپے ہوئے تھے تو حضور اقدس ﷺ نے اس سے فرمایا کہ: ”جاؤ جا کر وضو کر کے آؤ۔“ چنانچہ وہ گیا اور وضو کر کے آگیا، پھر حضور اقدس ﷺ نے اس سے فرمایا کہ: ”جاؤ جا کر وضو کر کے آؤ۔“ چنانچہ وہ گیا اور وضو کر کے آگیا۔ یہ منظر دیکھتے ہوئے ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے اس شخص کو

وضو کا حکم فرمایا تو اس کی کیا وجہ ہے؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”وہ ٹخنے چھپا کر نماز ادا کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں فرماتے ہیں جو [شلوار، لنگی وغیرہ سے] ٹخنے چھپا کر نماز ادا کرے۔“

- سنن ابی داود میں ہے:

٦٣٨- عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ يُصَلِّي مُسْبِلًا إِزَارَهُ إِذْ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اذْهَبْ فَتَوَضَّأْ»، فَذَهَبَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ ثُمَّ قَالَ: «اذْهَبْ فَتَوَضَّأْ»، فَذَهَبَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ: مَا لَكَ أَمَرْتَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ؟ فَقَالَ: «إِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ مُسْبِلٌ إِزَارَهُ وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى لَا يَقْبَلُ صَلَاةَ رَجُلٍ مُسْبِلٍ إِزَارَهُ».

- فیض القدیر میں اس کی تشریح یوں مذکور ہے:

١٨٢٧- «إن الله تعالى لا يقبل صلاة رجل مسبل إزاره» أي مرخيه إلى أسفل كعبيه، أي لا يثيب رجلا على صلاة أرخى فيها إزاره اختيالا وعجبا، وهذا قاله لمن رآه يصلي كذلك وأمره بأن يتوضأ أي ويعيد، وذلك؛ لأن الصلاة حال تواضع وإسبال الإزار فعل متكبر فتعارضا. قال ابن عربي: وأمره له بإعادة الوضوء أدب وتأكيد عليه، ولأن المصلي يناجي ربه، والله لا ينظر إلى من جر إزاره ولا يكلمه، فلذلك لم يقبل صلاته بمعنى أنه لا يثيبه عليها. وقال الطيبي: سر الأمر بالتوضؤ وهو متطهر أن يتفكر الرجل في سبب ذلك الأمر فيقف على ما ارتكبه من الشناعة، وأنه تعالى ببركة أمر رسوله ﷺ وطهارة الظاهر يطهر باطنه من التكبر والخيلاء؛ لأن طهارة الظاهر تؤثر في طهارة الباطن فعلى هذا ينبغي أن يعبر كلام المصطفى ﷺ على أنه تعالى لا يقبل صلاة المتكبر المختال. (د) في الصلاة واللباس عن أبي هريرة: قال بينما رجل يصلي إذ قال له النبي ﷺ: «اذهب فتوضأ»، فقيل له في ذلك، فقال: «إنه كان يصلي وهو مسبل إزاره وإن الله تعالى لا يقبل» إلخ. قال النووي في «رياضه»: إسناده صحيح على شرط مسلم، لكن أعله المنذري فقال: فيه أبو جعفر رجل من المدينة لا يعرف.

اس حدیث میں ٹخنے چھپا کر نماز ادا کرنے والے کے لیے وعید بھی بیان فرمائی گئی ہے اور اسی کے ساتھ

ساتھ ایسے شخص کو زَجر اور تنبیہ کے طور پر دوبارہ وضو کرنے اور نماز لوٹانے کا حکم بھی دیا گیا جو کہ بظاہر استحبابی حکم تھا، البتہ "بذل المجہود" میں اس حدیث کی تشریح میں فرمایا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے صرف وضو کے اعادہ کا حکم دیا نہ کہ نماز کا، کیوں کہ وضو گناہوں کو معاف کرنے والا عمل ہے:

يحتمل -والله أعلم- أنه أمره بإعادة الوضوء دون الصلاة؛ لأن الوضوء مكفر للذنوب، كما ورد في الأحاديث الكثيرة.

2۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جن میں سے ایک نے ٹخنے چھپا رکھے تھے، جبکہ دوسرا ٹھیک طرح رکوع اور سجدہ نہیں کر رہا تھا، تو فرمایا کہ یہ جو ٹخنے چھپا کر نماز ادا کر رہا ہے تو اللہ اس کو رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھ رہا، اور یہ جو دوسرا شخص ہے تو اللہ اس کی نماز قبول نہیں کر رہا۔

- المعجم الکبیر میں ہے:

٩٢٦٢- عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: بَيْنَا ابْنُ مَسْعُودٍ جَالِسٌ مَعَ أَصْحَابِهِ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ دَخَلَ رَجُلانِ فَقَامَا خَلْفَ سَارِيَتَيْنِ، فَصَلَّى أَحَدُهُمَا قَدْ أَسْبَلَ إِزَارَهُ، وَالآخَرُ لا يُتِمُّ رُكُوعَهُ، وَلا سُجُودَهُ، فَجَعَلَ ابْنُ مَسْعُودٍ يَنْظُرُ إِلَيْهِمَا، فَقَالَ جُلَسَاؤُهُ: لَقَدْ شَغَلَكَ هَذَانِ عَنَّا، قَالَ: أَجَلْ أَمَّا هَذَا فَلا يَنْظُرُ اللهُ إِلَيْهِ يَعْنِي الْمُسْبِلَ إِزَارَهُ، وَأَمَّا هَذَا فَلا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَعْنِي الَّذِي لا يُتِمُّ رُكُوعَهُ، وَلا سُجُودَهُ.

٩٣٦٦- عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ أَوْ غَيْرِهِ: أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ رَأَى رَجُلَيْنِ يُصَلِّيَانِ، أَحَدُهُمَا مُسْبِلٌ إِزَارَهُ، وَالْآخَرُ لَا يُتِمُّ رُكُوعَهُ وَلَا سُجُودَهُ، فَضَحِكَ، فَقَالُوا: مَا يُضْحِكُكَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ؟ قَالَ: عَجِبْتُ لِهَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ: أَمَّا الْمُسْبِلُ إِزَارَهُ فَلَا يَنْظُرُ اللهُ إِلَيْهِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَا يَقْبَلُ اللهُ صَلَاتَهُ.

نماز کی حالت میں ٹخنے چھپانے کا حکم اور اس کا حل:

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز کی حالت میں ٹخنے چھپانے کا گناہ اور بھی شدید اور سخت ہے۔ یہ احادیث اس بات کی دعوت دیتی ہیں کہ نماز میں خصوصی طور پر ٹخنے چھپانے کے گناہ سے بچنا چاہیے۔اس لیے اول تو ایسے طویل سائز کے شلوار، پتلون یعنی پینٹ وغیرہ ہی نہ پہنے جائیں جس میں ٹخنے چھپ جاتے ہوں، لیکن اگر کوئی شخص ایسے شلوار، پتلون یعنی پینٹ وغیرہ پہن لے تو اس پر واجب ہے کہ ٹخنے کھلے رکھے، چاہے نماز کی حالت میں ہو یا عام حالت میں۔ نماز کے لیے ٹخنے کھولنے کے لیے اگر شلوار یا پتلون وغیرہ اوپر کرنے یا نیچے سے فولڈ کرنے یعنی موڑنے کی نوبت آ بھی جائے تو مناسب طریقے سے فولڈ کرنا بالکل جائز بلکہ ضروری ہے کیوں کہ ٹخنے کھولنا واجب ہے۔

نماز کے لیے ٹخنے کھولنے سے متعلق ایک غلط فہمی کا اِزالہ:

بعض حضرات غلط فہمی کا شکار ہو کر یہ کہتے ہیں کہ احادیث میں ’’کفّ الثوب‘‘ یعنی کپڑے موڑنے سے منع فرمایا گیا ہے اس لیے نماز کے لیے ٹخنے کھولنے کی خاطر شلوار اور پتلون کے پائنچے موڑنا جائز نہیں، بلکہ ٹخنے چھپے رہنے کی حالت ہی میں نماز ادا کرنا چاہیے، اسی کو بنیاد بنا کر بہت سے لوگ نماز میں بھی ٹخنے چھپائے رکھتے ہیں۔ ’’کفّ الثوب‘‘ کی ممانعت پر مشتمل حدیث درج ذیل ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

٨١٦- عَنْ طَاوُسٍ عَن ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَن النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةٍ، لَا أَكُفُّ شَعَرًا وَلَا ثَوْبًا». (بَاب لَا يَكُفُّ ثَوْبَهُ فِي الصَّلَاةِ)

واضح رہے کہ یہ بات درج ذیل وجوہات کی وجہ سے درست نہیں:

1۔ ’’کفّ الثوب‘‘ کے معنی ہیں: کپڑے جمع کرنا، سمیٹنا۔ احادیث میں جو ’’کف الثوب‘‘ سے منع کیا گیا ہے تو حضرات فقہائے کرام کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ کے لیے جاتے وقت بلا عذر کپڑے سمیٹنا مکروہ ہے، البتہ متعدد فقہائے کرام نے اسی کے ساتھ ساتھ آستین چڑھا کر نماز ادا کرنے کو بھی ’’کفّ الثوب‘‘ میں

شمار کیا ہے۔ ''کفّ الثوب'' کی اس تعریف کے لیے حضرات فقہائے کرام کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

- البحر الرائق میں ہے:

قَوْلُهُ: (وَكَفُّ ثَوْبِهِ)؛ لِلْحَدِيثِ السَّابِقِ، سَوَاءٌ كان من بين يَدَيْهِ أو من خَلْفِهِ عِنْدَ الِانْحِطَاطِ لِلسُّجُودِ. وَالْكَفُّ: هو الضَّمُّ وَالْجَمْعُ، وَلِأَنَّ فيه تَرْكَ سُنَّةِ الْيَدِ ..... وَيَدْخُلُ أَيْضًا في كَفِّ الثَّوْبِ تَشْمِيرُ كُمَّيْهِ كما في «فَتْحِ القدير». (باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

- الجوہرۃ النیّرۃ میں ہے:

(قَوْلُهُ: وَلَا يَكُفُّ ثَوْبَهُ) وَهُوَ أَنْ يَرْفَعَهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ أَوْ مِنْ خَلْفِهِ إذَا أَرَادَ السُّجُودَ، قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «أُمِرْت أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ، لَا أَكُفُّ ثَوْبًا وَلَا أَعْقِصُ شَعْرًا».

(بَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ)

- بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

(ولا يكف ثوبه) المراد من كف الثوب القبض والضم، وأن يرفعه من بين يديه أو من خلفه إذا أراد السجود، وقيل لا بأس بكف الثوب صيانة عن التلوث. (مكروهات الصلاة)

- الدر المختار میں ہے:

(وَ) كُرِهَ (كَفُّهُ) أَيْ رَفْعُهُ وَلَوْ لِتُرَابٍ كَمُشَمِّرِ كُمٍّ أَوْ ذَيْلٍ (وَعَبَثُهُ بِهِ) أَيْ بِثَوْبِهِ.

- رد المحتار میں ہے:

(قَوْلُهُ: أَيْ رَفْعُهُ) أَيْ سَوَاءٌ كَانَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ أَوْ مِنْ خَلْفِهِ عِنْدَ الِانْحِطَاطِ لِلسُّجُودِ، «بَحْرٌ». وَحَرَّرَ الْخَيْرُ الرَّمْلِيُّ مَا يُفِيدُ أَنَّ الْكَرَاهَةَ فِيهِ تَحْرِيمِيَّةٌ. (قَوْلُهُ: وَلَوْ لِتُرَابٍ) وَقِيلَ: لَا بَأْسَ بِصَوْنِهِ عَنِ التُّرَابِ، «بَحْرٌ» عَنِ «الْمُجْتَبَى». (قَوْلُهُ: كَمُشَمِّرِ كُمٍّ أَوْ ذَيْلٍ) أَيْ كَمَا لَوْ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ وَهُوَ مُشَمِّرٌ كُمَّهُ أَوْ ذَيْلَهُ، وَأَشَارَ بِذَلِكَ إلَى أَنَّ الْكَرَاهَةَ لَا تَخْتَصُّ بِالْكَفِّ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ كَمَا أَفَادَهُ فِي «شَرْحِ الْمُنْيَةِ»، لَكِنْ قَالَ فِي «الْقُنْيَةِ»: وَاخْتُلِفَ فِيمَنْ صَلَّى وَقَدْ شَمَّرَ كُمَّيْهِ لِعَمَلٍ كَانَ يَعْمَلُهُ قَبْلَ الصَّلَاةِ أَوْ هَيْئَتُهُ ذَلِكَ اهـ. وَمِثْلُهُ مَا لَوْ شَمَّرَ لِلْوُضُوءِ ثُمَّ عَجَّلَ لِإِدْرَاكِ الرَّكْعَةِ

مَعَ الْإِمَامِ وَإِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَذَلِكَ وَقُلْنَا بِالْكَرَاهَةِ فَهَلِ الْأَفْضَلُ إِرْخَاءُ كُمَّيْهِ فِيهَا بِعَمَلٍ قَلِيلٍ أَوْ تَرْكِهِمَا؟ لَمْ أَرَهُ، وَالْأَظْهَرُ الْأَوَّلُ بِدَلِيلِ قَوْلِهِ الْآتِي: «وَلَوْ سَقَطَتْ قَلَنْسُوَتُهُ فَإِعَادَتُهَا أَفْضَلُ» تَأَمَّلْ. هَذَا، وَقَيَّدَ الْكَرَاهَةَ فِي «الْخُلَاصَةِ» وَ«الْمُنْيَةِ» بِأَنْ يَكُونَ رَافِعًا كُمَّيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ. وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ إِلَى مَا دُونَهُمَا. قَالَ فِي «الْبَحْرِ»: وَالظَّاهِرُ الْإِطْلَاقُ لِصِدْقِ كَفِّ الثَّوْبِ عَلَى الْكُلِّ اهـ. وَنَحْوُهُ فِي «الْحِلْيَةِ»، وَكَذَا قَالَ فِي «شَرْحِ الْمُنْيَةِ الْكَبِيرِ»: إِنَّ التَّقْيِيدَ بِالْمِرْفَقَيْنِ اتِّفَاقِيٌّ. قَالَ: وَهَذَا لَوْ شَمَّرَهُمَا خَارِجَ الصَّلَاةِ ثُمَّ شَرَعَ فِيهَا كَذَلِكَ، أَمَّا لَوْ شَمَّرَ وَهُوَ فِيهَا تَفْسُدُ؛ لِأَنَّهُ عَمَلٌ كَثِيرٌ. (باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

ان تمام فقہی عبارات سے ماقبل میں مذکور بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

2۔ ’’کفّ الثوب‘‘ کی حقیقت ماقبل میں بخوبی واضح ہو چکی، اس لیے ’’کفّ الثوب‘‘ کا یہ مطلب قرآن وسنت اور فقہاء کرام سے کہیں ثابت نہیں کہ ٹخنے کھولنے کے لیے اگر پتلون یا شلوار وغیرہ کے پائنچے فولڈ کرنے یعنی موڑنے کی نوبت آئے تو یہ جائز نہیں۔ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس کی وجہ سے یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے، تو جب اس بات کا ثبوت ہی نہیں تو پھر ٹخنے کھولنے کے مسئلے میں ’’کفّ الثوب‘‘ کی بحث چھیڑنا اور اس سے استدلال کرنا بے بنیاد بات ہے جس کی تائید شرعی دلائل سے ہر گز نہیں ہوتی۔

3۔ مردوں کے لیے کھڑے ہونے کی حالت میں ٹخنے کھولنے کا واجب ہونا ماقبل میں معلوم ہو چکا، اس لیے نماز کے لیے بھی اس پر عمل کرنا واجب ہے، اور ٹخنے چھپانا گناہ ہے، اس لیے ’’کفّ الثوب‘‘ کی آڑ میں اس سنگین گناہ کا ارتکاب دانشمندی کا تقاضا نہیں کیوں کہ ’’کفّ الثوب‘‘ کا یہ مفہوم کہیں سے ثابت ہی نہیں۔

4۔ اگر بالفرض ’’کفّ الثوب‘‘ سے یہ مفہوم مراد لے لیں کہ نماز کے لیے ٹخنے کھولنے کی خاطر پائنچے فولڈ کرنا ناجائز ہے تو یہ مفہوم ماقبل کی اُن تمام احادیث کے بھی خلاف ہے جن میں مرد کے لیے ٹخنے چھپانے سے منع فرمایا گیا ہے، اس لیے بھی یہ مفہوم مراد لینا درست نہیں۔

5۔ اسی طرح اگر ’’کفّ الثوب‘‘ سے یہ مفہوم مراد لے لیں کہ نماز کے لیے ٹخنے کھولنے کی خاطر پائنچے فولڈ

کرنا ناجائز ہے تو اس مفہوم کا ما قبل کی احادیث سے ٹکراؤ پیدا ہو گا، اور یہ واضح حقیقت ہے کہ روایات میں باہمی ٹکراؤ پیدا کرنا دین کی خدمت نہیں ہو سکتی۔

6۔ اسی طرح اگر ایک لمحے کے لیے مان لیں کہ "کفّ الثوب" کی ممانعت کی وجہ سے نماز کے لیے ٹخنے کھولنے کی خاطر پائنچے فولڈ کرنا ناجائز ہے تو عرض یہ ہے کہ اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ "کفّ الثوب" کی ممانعت سے بچنے کے لیے ٹخنے ہی ڈھانپ لیے جائیں اور اس کی دعوت بھی دی جائے حتیٰ کہ اس کا اہتمام بھی کیا جائے، کیوں کہ یہ تو ایک گناہ سے بچنے کے لیے دوسرے گناہ کا ارتکاب ہو گیا، ظاہر ہے کہ جب احادیث کا مطلب خود ساختہ بیان کیا جائے گا تو یہی صورتحال سامنے آئے گی، حالاں کہ یہ تو شریعت کا تقاضا نہیں اور نہ ہی احادیث سے اس کا کوئی ثبوت ہے، بلکہ اس کا حل تلاش کرنا چاہیے تا کہ تمام احادیث کی رعایت کی جا سکے اور وہ یہ ہے کہ شلوار اور پتلون وغیرہ اس سائز کے سلوائے جائیں، خریدے جائیں یا کاٹ کر مناسب کر لیے جائیں جن میں ٹخنے نہ چھپتے ہوں، تا کہ دونوں احکام پر عمل ہو جا سکے۔

7۔ اسی طرح اگر "کفّ الثوب" سے یہ مفہوم مراد لے لیں کہ نماز کے لیے ٹخنے کھولنے کی خاطر پائنچے فولڈ کرنا ناجائز ہے تو یہ مفہوم "کفّ الثوب" والی احادیث سے واضح طور پر معلوم نہیں ہوتا یعنی احادیث اس مفہوم میں صریح نہیں، بلکہ ثابت ہی نہیں ہوتا، جبکہ ٹخنے چھپانے کی احادیث صریح اور واضح ہیں، اس لیے انھی کی پیروی کی جائے گی۔

8۔ ایک اہم بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ "کفّ الثوب" کی کراہت نماز کے دوران ہے کہ نماز کی حالت میں کپڑے سمیٹنا مکروہ ہے، گویا کہ نماز سے پہلے "کفّ الثوب" کی کراہت ہے ہی نہیں، گویا کہ "کفّ الثوب" کا جو بھی مطلب مراد لیں اس کا تعلق حالتِ نماز کے ساتھ ہے نہ کہ نماز سے پہلے کے ساتھ، اس لیے "کفّ الثوب" کی کراہت کی بنیاد پر نماز سے پہلے ٹخنے کھولنے کے لیے پائنچے اوپر کرنے یا موڑنے کو مکروہ قرار دینا درست نہیں۔

خلاصہ:

تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ مرد کے لیے کھڑے ہونے کی حالت میں ٹخنے چھپانا ناجائز اور بڑا گناہ ہے، چاہے عام حالت میں ہو یا نماز میں ہو بلکہ نماز کی حالت میں اس کا وبال بڑھ جاتا ہے، اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے، اسی طرح نماز کے لیے ٹخنے کھولنے کے لیے اگر شلوار یا پتلون وغیرہ اوپر کرنے یا نیچے سے فولڈ کرنے یعنی موڑنے کی نوبت آبھی جائے تو مناسب طریقے سے فولڈ کرنا بالکل جائز بلکہ ضروری ہے کیوں کہ ٹخنے کھولنا واجب ہے۔

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
22 رجب المرجّب 1441ھ/18 مارچ 2020

مقالہ نمبر 14:

اُدھار اور قسطوں کے ذریعے کاروبار کے شرعی احکام

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

فہرست

- قیمت کی ادائیگی کے اعتبار سے عقدِ تجارت کی دو اقسام۔
- نقد خرید وفروخت کی حقیقت۔
- ادھار خرید وفروخت کی حقیقت۔
- ادھار یا قسطوں کے ذریعے خرید وفروخت کا حکم۔
- ادھار خرید وفروخت کی صورت میں قیمت میں اضافے کا حکم۔
- ادھار اور قسطوں کے ذریعے خرید وفروخت کے جائز ہونے کے لیے شرائط۔
- زیورات کی خرید وفروخت کی صورت میں ادھار کی قیمت میں اضافہ کرنے کا حکم۔
- ادھار اور قسطوں کی صورت میں زائد نفع کے جائز ہونے کی وجوہات۔
- ادھار کی صورت میں یہ زائد نفع کس کے مقابلے میں ہے؟
- قسط کی ادائیگی میں خریدار کے ٹال مٹول سے بچنے کی صورتیں۔
- ادھار خرید وفروخت میں مدت کی تعیین کی شرط سے متعلق ایک اہم وضاحت۔
- ادھار معاملات سے متعلق شریعت کا سنہری اصول۔

اُدھار اور قسطوں کے ذریعے کاروبار کے شرعی احکام:

دورِ حاضر میں ادھار اور قسطوں کے ذریعے کاروبار کرنے اور اس کی بنیاد پر قیمت میں اضافہ کرنے کا عام رواج پایا جاتا ہے، اس میں عموماً جہاں فروخت کرنے والے کے لیے سہولت رہتی ہے کہ اس کو ادھار کے بدلے کچھ نفع مزید میسر آجاتا ہے تو دوسری طرف خریدار کے لیے بھی بڑی سہولت ہوتی ہے کہ بسا اوقات وہ قیمت کی نقد ادائیگی کی سکت نہیں رکھتا یا کسی اور وجہ سے اس کے لیے نقد ادائیگی مشکل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے ادھار کے طور پر قیمت کی ادائیگی کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ادھار خرید وفروخت لوگوں کی ایک بڑی ضرورت بھی ہے۔ لیکن بہت سے لوگ دین کے دیگر احکام کی طرح اس ادھار طریقہ تجارت کے اہم مسائل سے بھی ناواقف رہتے ہیں، اور اسی غفلت کے نتیجے میں نظریاتی یا عملی طور پر متعدد غلطیوں کا شکار ہو کر شریعت کی خلاف ورزی کے مرتکب نظر آتے ہیں۔

یہ صورت حال اُس وقت بھی سامنے آتی ہے جب ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے تو اس میں بھی شرعی احکام سے لاعلمی کی وجہ سے بہت سے لوگ اس کو سود ہی کی ایک شکل قرار دے کر اس کو حرام سمجھتے ہیں، خصوصًا وہ حضرات جو ادھار اور قسطوں کے ذریعے کیے جانے والے کاروبار سے وابستہ ہیں وہ بھی اس حوالے سے پریشانی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ادھار اور قسطوں کے کاروبار سے متعلق تفصیلی طور پر شریعت کے احکام سے آگاہی حاصل کی جائے تاکہ اس سے متعلق غلطیوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہو جائے اور مسلمان شریعت کے مطابق کاروبار کر کے دنیا اور آخرت کی کامیابی بھی حاصل کر سکیں۔

اس تمہید کے بعد ادھار اور قسطوں کے ذریعے کاروبار سے متعلق تفصیلی احکام بیان کیے جاتے ہیں۔

قیمت کی ادائیگی کے اعتبار سے عقدِ تجارت کی دو اقسام:

قیمت کی ادائیگی کے اعتبار سے عقدِ تجارت کی دو اقسام ہیں:

1۔ نقد خرید وفروخت۔ اس کو عربی میں "البیعُ الحالّ" کہتے ہیں۔

2۔ ادھار خرید وفروخت۔ عربی میں ادھار خرید وفروخت کو "البیعُ المؤجّل" اور "البیعُ بالنسیئة، جبکہ قسطوں کے ذریعے خرید وفروخت کو "البیعُ بالتقسیط" کہا جاتا ہے۔

(ردالمحتار، دررالحکام، فقہ البیوع، اسلام اور جدید معاشی مسائل کا حل، بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ)

نقد خرید وفروخت کی حقیقت:

نقد خرید وفروخت میں مبیع یعنی فروخت ہونے والی چیز اور قیمت دونوں ہی فوری طور پر دے دی جاتی ہیں، ان میں سے کوئی بھی عوض ادھار نہیں ہوتا۔

ادھار خرید وفروخت کی حقیقت:

اُدھار خرید وفروخت سے مراد وہ طریقہ تجارت ہے جس میں فروخت کی جانے والی چیز تو فوری طور پر دے دی جاتی ہے جبکہ اس کی قیمت ادھار طے ہوتی ہے جس کی ادائیگی باہمی رضامندی سے ایک مقررہ وقت پر کی جاتی ہے۔ اس میں بھی کبھی تو قیمت کی یکمشت ادائیگی طے کرلی جاتی ہے تو کبھی قسط وار ادائیگی کا معاملہ طے پاتا ہے۔ اور اسی ادھار کی وجہ سے عموماً اس چیز کی قیمت میں اضافہ بھی کیا جاتا ہے۔

ادھار یا قسطوں کے ذریعے خرید وفروخت کا حکم:

شریعت کی نظر میں ادھار یا قسطوں کے ذریعے خرید وفروخت کرنا بالکل درست ہے، چنانچہ:

1۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر 282 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ.

ترجمہ: "اے ایمان والو! جب تم کسی معین میعاد کے لیے ادھار کا کوئی معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔"
(آسان ترجمہ قرآن)

2۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک یہودی سے غلہ ایک مقررہ مدت تک ادھار خریدا اور اس کے بدلے اپنی زرہ گروی رکھوائی، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

٢٠٦٨: حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: ذَكَرْنَا عِنْدَ إِبْرَاهِيمَ الرَّهْنَ فِي السَّلَمِ، فَقَالَ: حَدَّثَنِي الْأَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اشْتَرَى طَعَامًا مِنْ يَهُودِيٍّ إِلَى أَجَلٍ، وَرَهَنَهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيدٍ. (بَابُ شِرَاءِ النَّبِيِّ ﷺ بِالنَّسِيئَةِ)

3۔ اسی طرح فقہ حنفی کی جلیل القدر کتاب "مختصر القدوری" کی یہ عبارت بھی واضح ہے:

وَيَجُوزُ الْبَيْعُ بِثَمَنٍ حَالٍّ أَوْ مُؤَجَّلٍ إِذَا كَانَ الْأَجَلُ مَعْلُومًا. (کتاب البیوع)

ترجمہ: خرید وفروخت نقد قیمت کے ذریعے بھی جائز ہے، اور ادھار قیمت کے ذریعے بھی جبکہ مدت معلوم ہو۔

ادھار خرید وفروخت کی صورت میں قیمت میں اضافے کا حکم:

ادھار یا قسطوں کے ذریعے خرید وفروخت کی وجہ سے کسی چیز کی قیمت میں اضافہ کرنا امت کے جمہور ائمہ کرام، فقہاء عظام اور حضرات محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک درست ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام فقیہ العصر مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دام ظلہم "بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ" میں فرماتے ہیں:

أما الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء والمحدثون فقد أجازوا البيع المؤجل بأكثر من سعر النقد، بشرط أن يبت العاقدان بأنه بيع مؤجل بأجل معلوم، وبثمن متفق عيه عند العقد، فأما إذا قال البائع: أبيعك نقدا بكذا ونسيئة بكذا، وافتراقا على ذلك، دون أن يتفقا على تحديد واحد من السعرين: فإن مثل هذا البيع لا يجوز، ولكن إذا عين العاقدان أحد الشقين في مجلس العقد فالبيع جائز. (أحكام البيع بالتقسيط)

ادھار اور قسطوں کے ذریعے خرید وفروخت کے جائز ہونے کے لیے شرائط:

ادھار اور قسطوں کے ذریعے خرید وفروخت کے جائز ہونے کے لیے چند شرائط ہیں، ان کی رعایت کے بعد ہی یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے، شرائط درج ذیل ہیں:

1۔ مجلسِ عقد ہی میں قیمت کی ادائیگی کی مدت طے ہو جانی چاہیے کہ اتنی مدت میں یہ قیمت ادا کی جائے گی، یا اتنی مدت بعد یہ قیمت ادا کی جائے گی۔ اگر ادھار معاملے میں قیمت کی ادائیگی کی مدت طے نہ کی جائے تو ایسی صورت میں یہ معاملہ جائز نہیں کیوں کہ مدت کا طے نہ ہونا باہمی تنازع کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

مدت کی تعیین کے سلسلے میں یہ بات بھی واضح رہے کہ مدت ایسی متعین کی جائے جس میں کسی قسم کا کوئی ایسا ابہام نہ ہو کہ جو بعد میں تنازع کا سبب بنے، بلکہ وہ مدت جانبین کو بخوبی معلوم ہو۔

2۔ اگر رقم یکمشت ادا کرنے کی بجائے قسط وار ادائیگی طے ہوئی ہے تو مجلسِ عقد ہی میں قسط وار رقم کی مقدار طے ہو جانی چاہیے، جیسے ہر ماہ اتنی رقم ادا کی جائے گی۔

3۔ مجلسِ عقد ہی میں کسی ایک جانب بات طے ہو جانی چاہیے کہ یہ معاملہ نقد ہے یا ادھار، تاکہ معاملہ صاف اور واضح ہو، کیوں کہ نقد یا ادھار میں سے کسی ایک جانب معاملہ طے کیے بغیر مجلسِ عقد برخاست کر کے الگ ہو جانے کی صورت میں یہ معاملہ جائز نہیں، یعنی محض اتنی بات پکی کر کے اٹھ جانا کہ چلیں ٹھیک ہے: نقد لینا ہوا تو دس ہزار دے دینا اور اگر ادھار لینا ہوا تو گیارہ ہزار دے دینا؛ یہ جائز نہیں۔

4۔ اگر خریدار سے قیمت یا قسط کی ادائیگی میں تاخیر ہو جائے تو اس کی وجہ سے قیمت میں مزید اضافہ کرنا یا بطورِ جرمانہ مزید رقم لینا جائز نہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ادھار عقد کا معاہدہ یعنی ایگریمنٹ تیار کرتے وقت تاخیر پر اضافے یا جرمانے کی شرط کو معاہدے میں شامل کرنا بھی ناجائز ہے۔

5۔ مجلسِ عقد میں کسی ایک عوض پر قبضہ کرنا ضروری ہے، کیوں کہ اگر ادھار معاملہ اس طرح کیا جائے کہ چیز اور قیمت دونوں ہی ادھار ہوں تو یہ جائز نہیں، کیوں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، اس کو

"بَيْعُ الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ"اور "بَيْعُ الدَّيْنِ بِالدَّيْنِ" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ "مستدرک حاکم" میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

٢٣٤٣- عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ، هُوَ النَّسِيئَةُ بِالنَّسِيئَةِ.

اور "مصنف ابن ابی شیبہ" میں بھی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

٢٢٥٦٣: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُبَيْدَةَ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ كَرِهَ كَالِئًا بِكَالِئٍ، يَعْنِي دَيْنًا بِدَيْنٍ.

(رد المحتار، درر الحکام، فقہ البیوع، اسلام اور جدید معاشی مسائل کا حل، بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ)

زیورات کی خرید و فروخت کی صورت میں ادھار کی قیمت میں اضافہ کرنے کا حکم:

یہاں یہ بات واضح رہے کہ مذکورہ تفصیل کے مطابق ادھار کی صوت میں قیمت میں اضافہ کرنا جائز ہے، لیکن اگر زیورات کو رقم کے عوض ادھار خریدا جارہا ہو تو ایسی صورت میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرنادرست نہیں، کیوں کہ لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو سود خوری کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔

(زیورات کے مسائل از حضرت اقدس مفتی عبد الرؤف سکھروی صاحب دام ظلہم)

ادھار اور قسطوں کی صورت میں زائد نفع کے جائز ہونے کی وجوہات:

جیسا کہ ماقبل کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو ادھار یا قسطوں پر فروخت کرنے کی صورت میں اس کی قیمت میں اضافہ کرنا شرعی اعتبار سے جائز ہے، بلکہ اس پر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق بھی ہے، اس کی وجوہات درج ذیل ہے:

1۔ ادھار فروخت کرنے کی صورت میں زائد نفع لینے کی قرآن وسنت میں کوئی ممانعت موجود نہیں، بلکہ حضرات ائمہ اربعہ اور جمہور امت اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔

2۔ شریعت نے تجارت میں نفع کمانے کی کوئی خاص حد مقرر نہیں فرمائی بلکہ اس کو خرید وفروخت کرنے والے

جانبین کی باہمی رضامندی پر چھوڑے رکھا ہے، البتہ نفع کمانے میں یہ ضروری ہے کہ جھوٹ، دھوکہ فریب اور اس طرح کے دیگر مذموم امور سے خصوصی اجتناب کیا جائے تاکہ نفع حرام کی آلودگی سے ملوث نہ ہو، اسی طرح ایک مسلمان کی یہ اخلاقی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ نفع کمانے میں دوسروں کی مجبوری سے غلط فائدہ نہ اٹھائے بلکہ فرد سے لے کر معاشرے تک پر آنے والے ہر قسم کے خصوصی اور عمومی نامساعد حالات میں بھی ہمدردی کا جذبہ رکھے، یہ ایک مسلمان تاجر کی پہچان ہے۔

اس لیے اگر کوئی شخص ادھار فروخت کرنے کی صورت میں نفع کا تناسب زیادہ رکھتا ہے تو شرعی نقطہ نظر سے اس میں کوئی ممانعت نہیں بلکہ مناسب نفع کمانے کا اس کو حق حاصل ہے۔

3۔ فروخت کرنے والا مارکیٹ کے عمومی ریٹ کا بہر حال پابند نہیں، بلکہ وہ مارکیٹ ریٹ سے کم و بیش قیمت مقرر کر کے بھی مال فروخت کر سکتا ہے، اس لیے اگر وہ ادھار فروخت کرنے کی صورت میں قیمت زیادہ مقرر کر لے تو اس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟؟

4۔ ایک سیدھی اور عام فہم عقلی بات یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص اپنا مال ادھار فروخت کرتا ہے تو وہ ایک خاص مدت تک کے لیے اپنی رقم دوسرے کے پاس بند کر لیتا ہے جس کی واپسی تک وہ اس رقم سے کاروبار نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے ذریعے وہ کچھ نفع کما سکتا ہے، حالاں کہ اگر وہ رقم اس کے پاس ہوتی تو وہ اس سے نفع کما سکتا تھا، اس لیے جب وہ ایک مقررہ وقت تک کے لیے اپنی رقم بند کر لیتا ہے تو اس کو اس کی بنیاد پر بھی نفع کمانے کا حق حاصل ہونا چاہیے، خصوصًا جبکہ اس میں کوئی غیر شرعی معاملہ بھی نہیں پایا جا رہا۔ اس لیے ادھار کی صورت میں نفع زائد مقرر کرنے کے مسئلے میں اگر اس معقول پہلو کی بھی رعایت کی جائے تو بھی کوئی شبہ نہیں رہے گا۔

ادھار کی صورت میں یہ زائد نفع کس کے مقابلے میں ہے؟

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ ادھار کی صورت میں جو زائد نفع لیا جاتا ہے تو یہ مدت کے مقابلے میں ہے اور مدت کے مقابلے میں نفع لینا جائز نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

1۔ادھار خرید وفروخت ایک مستقل معاملہ ہے، اور اس ادھار میں جو بھی قیمت طے ہو جائے تو وہ ایک مستقل قیمت ہوتی ہے جس میں مناسب نفع کمانے کا اس کو اختیار حاصل ہے، اور ادھار کی وجہ سے جو قیمت میں اضافہ ہوا ہے یہ کسی چیز کے عوض میں نہیں بلکہ اسی اصل قیمت ہی کا حصہ ہے۔

2۔بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کی مستقل طور پر خرید وفروخت جائز نہیں ہوتی لیکن اگر کسی چیز کے تابع کر کے ضمناً اس کی خرید وفروخت کی جائے تو یہ درست ہوتی ہے، جیسے گائے کے پیٹ میں موجود بچے کی مستقل طور پر خرید وفروخت تو ناجائز ہے لیکن اگر کوئی شخص اس گابھن گائے کی زیادہ قیمت اس لیے لگائے کہ اس کے پیٹ میں بچہ ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔اس صورت میں گائے میں تو یہ عقد اصالتاً یعنی مستقلاً ہے جبکہ بچے میں ضمناً اور تبعاً ہے۔اسی طرح ادھار معاملے میں اگر اس زائد نفع کو مدت کے مقابلے میں تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ ضمناً ہے نہ کہ مستقلاً، حقیقت میں یہ نفع مدت کے مقابلے میں نہیں بلکہ مدت اس اضافے کا سبب بنی ہے، کیوں کہ قیمت اس چیز ہی کی لگائی جاتی ہے نہ کہ مدت کی، کیوں کہ ایسا تو عموماً نہیں ہوتا کہ کوئی یہ کہے کہ چیز کی قیمت اتنی ہے اور ادھار مدت کی قیمت اتنی ہے۔

3۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ مدت کی بنیاد پر قیمت میں عقد کی ابتدا میں تو جائز ہے کہ جب معاملہ طے ہو رہا ہو تو ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کیا جائے (لیکن اس صورت میں یہ اضافہ اصل قیمت کا حصہ بن جاتا ہے اور جو قیمت طے ہوتی ہے وہ سب کی سب اس چیز ہی کی قیمت ہوتی ہے)، البتہ قسط کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں مدت کی بنیاد پر جرمانہ یا اضافہ عائد کرنا جائز نہیں کیوں کہ یہ سود ہے۔

(رد المحتار، درر الحکام، فقہ البیوع، اسلام اور جدید معاشی مسائل کا حل، بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ)

قسط کی ادائیگی میں خریدار کے ٹال مٹول سے بچنے کی صورتیں:

بسااوقات خریدار کی جانب سے قسط کی ادائیگی میں ٹال مٹول کا سامنا ہوتا ہے جو کہ بائع یعنی بیچنے والے کے لیے پریشانی کا باعث بنتا ہے تو ایسی صورتحال سے بچنے کے لیے چند جائز طریقے درج ذیل ہیں:

1۔ خرید وفروخت کے وقت خریدار سے رہن یعنی گروی کے طور پر کوئی چیز رکھ لی جائے تاکہ اس کو احساس ہو کہ اگر میں نے قیمت کی ادائیگی میں ٹال مٹول کی تو اس گروی رکھی چیز کو فروخت کر کے اس سے قیمت وصول کر لی جائے گی۔

2۔ خرید وفروخت کے وقت خریدار سے کوئی ضامن طلب کیا جائے، اس صورت میں بھی وہ ٹال مٹول سے باز آسکتا ہے۔

اس طرح کی دیگر جائز اور مناسب صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔

ادھار خرید وفروخت میں مدت کی تعیین کی شرط سے متعلق ایک اہم وضاحت:

شبہ: ماقبل میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ادھار خرید وفروخت کی صورت میں مجلسِ عقد ہی میں قیمت کی ادائیگی کی مدت کی تعیین ہونی چاہیے کہ اتنی مدت میں یہ قیمت ادا کی جائے گی، یا اتنی مدت بعد یہ قیمت ادا کی جائے گی۔ اگر ادھار عقد میں قیمت کی ادائیگی کی مدت طے نہ کی جائے تو ایسی صورت میں یہ معاملہ جائز نہیں کیوں کہ مدت کا طے نہ ہونا باہمی تنازع کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آجکل تو عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ کوئی چیز دکان دار سے لے کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ قیمت بعد میں دے دیں گے، جبکہ قیمت کی ادائیگی کے لیے مدت بھی طے نہیں ہوتی۔ تو مدت طے نہ ہونے کی وجہ سے یہ عقد ناجائز ہو جاتا ہے، حالاں کہ اس کا رواج عام ہے۔

جواب:

یہ صورت بیع مؤجّل یعنی ادھار عقد کی نہیں ہے بلکہ یہ نقد معاملے ہی کے حکم میں ہوتا ہے، جس کو

''البیع الحالّ'' کہا جاتا ہے۔اس ''بیع حالّ'' یعنی نقد عقد میں اور ادھار عقد میں بنیادی طور پر دو فرق ہیں:

1۔ایک فرق تو یہ ہے کہ ادھار معاملے میں عقد ہی میں مدت مشروط ہوتی ہے یعنی کہ اس میں یہ طے ہوتا ہے کہ قیمت ادھار ہو گی، جبکہ اس ''بیع حالّ'' میں بنیادی طور پر تو یہ معاملہ نقد ہی کا ہوتا ہے کہ عقد میں قیمت کی ادائیگی کی مدت طے نہیں ہوتی، بلکہ ہوتا یوں ہے کہ کوئی چیز خریدنے کے بعد جب اس کی قیمت دینے کی باری آتی ہے تو وہ خریدار یہ کہہ دیتا ہے کہ قیمت بعد میں دے دوں گا،اب اگر دکان دار اس کو قبول کرلیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے خریدار پر احسان کرتے ہوئے رقم نقد وصول کرنے سے گریز کیا،اب یہ دکان دار پر ہے کہ چاہے تو اس کو مدت کا پابند بنادے یا اس کو چھوٹ دے دے کہ وہ جب بھی ادا کرلے۔اس صورت میں چوں کہ یہ ادھار بیع ہے ہی نہیں،اس لیے اس پر ادھار کا یہ حکم لاگو نہیں ہوتا کہ اس میں بھی مدت کی تعیین ضروری قرار دی جائے، البتہ اگر ادھار قیمت دینے کا ذکر عقد ہی میں موجود ہو تو پھر تو یہ ادھار معاملہ ہی ہو گا جس میں اس کے احکام کی رعایت ضروری ہے۔

2۔ادھار عقد اور ''بیع حالّ'' یعنی نقد معاملے میں دوسرا فرق یہ ہے کہ ادھار میں جو مدت طے کرلی جاتی ہے تو اس کی پاسداری ضروری ہوتی ہے کہ دکان دار اس مقررہ مدت سے پہلے قیمت کا مطالبہ نہیں کر سکتا، جبکہ نقد معاملے میں دکان دار کسی بھی وقت قیمت کا مطالبہ کر سکتا ہے،اس کو اختیار حاصل ہے۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل کا حل)

ادھار معاملات سے متعلق شریعت کا سنہری اصول:

ادھار معاملات سے متعلق شریعت نے ہمیں یہ سنہری اصول سکھلایا ہے کہ جو بھی ادھار معاملہ ہو اُسے لکھ لینا چاہیے۔اس کو باہمی معاہدے کی صورت میں تحریری صورت دے کر محفوظ کرلینا چاہیے،اور معاملے کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے ٹھوس انداز میں بہتر طریقے سے معاہدہ لکھنا چاہیے، یہ معاہدہ ہر لحاظ سے مکمل اور جامع ہونا چاہیے،اس میں کوئی بات کم یا مبہم نہ ہو،اس کے لیے ماہرین کی خدمات بھی حاصل کی جاسکتی ہیں کیوں کہ

معاہدہ لکھنا بھی اہم ضرورت ہے جس کے لیے باقاعدہ ماہرین بھی ہوا کرتے ہیں، جیسا کہ وکالت سے وابستہ حضرات بھی اس سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ ہمارے حضرات فقہا کرام نے معاہدہ لکھنے کے بارے میں مکمل تفاصیل بیان فرمائی ہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ میں کتاب المحاضر والسجلات کے نام سے باقاعدہ بحث موجود ہے جس میں کافی تفصیل سے ان باتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے متعلق تفصیلی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

١: في «بحوث في قضايا فقهية معاصرة» لشيخ الإسلام فقيه العصر المفتي محمد تقي العثماني حفظهم الله:

فإن البيع بالتقسيط من البيوع التي قد شاع تداولها في عصرنا الحاضر في جميع البلدان الإسلامية، وهو البيع الذي يلجأ إليه كثير من الناس لشراء حاجاتهم، وتأثيث منازلهم، والتمتع بالآلات الحديثة الغالية التي لا يمكن لهم شراؤها بثمن حالّ. فمست الحاجة إلى بيان الحكم الشرعي لهذا البيع، وما يتفرع عليه من مسائل مختلفة .....

أولًا: حقيقة البيع بالتقسيط:

البيع بالتقسيط بيع بثمن مؤجل يدفع إلى البائع في أقساط متفق عليها، فيدفع البائع البضاعة المبيعة إلى المشتري حالّة، ويدفع المشتري الثمن في أقساط مؤجلة. وإن اسم «البيع بالتقسيط» يشمل كل بيع بهذه الصفة، سواء كان الثمن المتفق عليه مساويًا لسعر السوق، أو أكثر منه، أو أقل، ولكن المعمول به في الغالب أن الثمن في البيع بالتقسيط يكون أكثر من سعر تلك البضاعة في السوق .....

ثانيًا: زيادة الثمن من أجل التأجيل:

ومن هنا ينشأ السؤال: هل يجوز أن يكون الثمن المؤجل أكثر من الثمن الحالّ؟ وقد تكلم الفقهاء في هذه المسألة قديما وحديثا، فذهب بعض العلماء إلى عدم جوازه؛ لكون الزيادة عوضا من الأجل وهو الربا، أو فيه مشابهة للربا، وهذا مذهب مروي عن زين العابدين علي

بن الحسين، والناصر والمنصور بالله، والهادوية، كما نقل عنهم الشوكاني رحمه الله. أما الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء والمحدثون فقد أجازوا البيع المؤجل بأكثر من سعر النقد، بشرط أن يبتّ العاقدان بأنه بيع مؤجل بأجل معلوم، وبثمن متفق عيه عند العقد، فأما إذا قال البائع: أبيعك نقدا بكذا ونسيئة بكذا، وافتراقا على ذلك، دون أن يتفقا على تحديد واحد من السعرين فإن مثل هذا البيع لا يجوز، ولكن إذا عيّن العاقدان أحد الشقين في مجلس العقد فالبيع جائز. يقول الإمام الترمذي رحمه الله في «جامعه» تحت حديث أبي هريرة رضي الله عنه: «نهى رسول الله ﷺ عن بيعتين في بيعة»: وقد فسر بعض أهل العلم قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول: أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة، وبنسيئة بعشرين، ولا يفارقه على أحد البيعين، فإن فارقه على أحدهما فلا بأس إذا كانت العقدة على أحد منهما. وحاصل قول الإمام الترمذي رحمه الله تعالى: أن علة النهي عن هذا البيع إنما هو تردّد الثمن بين الحالتين، دون أن تتعين إحداهما عند العقد، وهذا يوجب الجهالة في الثمن، وليس سبب النهي زيادة الثمن من أجل التأجيل، فلو زالت مفسدة الجهالة بتعيين إحدى الحالتين فلا بأس بهذا البيع شرعا. وإن ما ذكره الإمام الترمذي رحمه الله هو مذهب الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء، وهو الراجح بالدليل؛ لأنه ليس في القرآن والسنة ما يمنع جواز مثل هذا البيع، وإن تعريف الربا لا ينطبق على هذه الزيادة في الثمن؛ لأنه ليس قرضا، ولا بيعا للأموال الربوية بمثلها، وإنما هو بيع محض، وللبائع أن يبيع بضاعته بما شاء من ثمن، ولا يجب عليه أن يبيعها بسعر السوق دائما، وللتجار ملاحظ مختلفة في تعيين الأثمان وتقديرها، فربما تختلف أثمان البضاعة الواحدة باختلاف الأحوال، ولا يمنع الشرع من أن يبيع المرء سلعته بثمن في حالة، وبثمن آخر في حالة أخرى. وبالتالي: فإن من يبيع البضاعة بثمانية نقدا، وبعشرة نسيئة يجوز له بالإجماع أن يبيعها بعشرة نقدا ما لم يكن فيه غش أو خداع، فلِم لا يجوز له أن يبيعها بالعشرة نسيئة؟! وبما أن هذه المسألة متفق عليها فيما بين المذاهب الأربعة المتداولة، وبين أكثر الفقهاء والمحدثين، فلا نريد الإطالة في بيان دلائلها

من الكتاب والسنة، بل نريد أن ننطلق في هذا البحث على أساس جواز هذا البيع، ونذكر بعض التفاصيل والمسائل المتفرعة على هذا الجواز:

١- الجزم بأحد الثمنين شرط للجواز:

قد تبين فيما سبق أنه لا بأس للبائع أن يذكر الأثمان المختلفة عند المساومة، فيقول: أبيعه نقدا بثمانية، ونسيئة بعشرة، وهل يجوز أن يذكر أثمانا مختلفة باختلاف الآجال، مثل أن يقول: أبيعه إلى شهر بعشرة، وإلى شهرين باثني عشر مثلا؟ لم أر في ذلك تصريحا من الفقهاء، وقياس قولهم السابق أن يجوز ذلك أيضا؛ لأنه إذا جاز اختلاف الأثمان على أساس كونها نقدا أو نسيئة جاز اختلافها على أساس آجال مختلفة؛ لأنه لا فارق بين الصورتين. ولكن اختلاف الأثمان هذا إنما يجيز ذكرها عند المساومة، وأما عقد البيع فلا يصح، إلا إذا اتفق الفريقان على أجل معلوم وثمن معلوم، فلا بد من الجزم بأحد الشقوق المذكورة في المساومة. فلو قال البائع مثلا: إن أديت الثمن بعد شهر فالبضاعة بعشرة، وإن أديته بعد شهرين فهو باثني عشر، وإن أديته بعد ثلاثة أشهر فهو بأربعة عشر، وافترقا على ذلك بدون تعيين أحد هذه الشقوق، زعمًا من المشتري أنه سوف يختار منها ما يلائمه في المستقبل: فإن هذا البيع حرام بالإجماع، ويجب على العاقدين أن يعقداه من جديد بتعيين أحد الشقوق واضحا.

٢- إنما الجائز زيادة في الثمن، لا تقاضي الفائدة:

ومما يجب التنبيه عليه هنا: أن ما ذكر من جواز هذا البيع إنما هو منصرف إلى زيادة في الثمن نفسه، أما ما يفعله بعض الناس من تحديد ثمن البضاعة على أساس سعر النقد، وذكر القدر الزائد على أساس أنه جزء من فوائد التأخير في الأداء: فإنه ربا صراح، وهذا مثل أن يقول البائع: بعتك هذه البضاعة بثماني ربيات نقدا، فإن تأخرت في الأداء إلى مدة شهر فعليك ربيتان علاوة على الثمانية، سواء سماها فائدة (Interest) أو لا: فإنه لا شك في كونه معاملة ربوية؛ لأن ثمن البضاعة إنما تقرر كونه ثمانية، وصارت هذه الثمانية دينا في ذمة المشتري، فما يتقاضى عليه البائع من الزيادة فإنه ربا لا غير. والفرق العملي بين

الصورتين: أن ما تقرر كونه ثمنا في الصورة الأولى صار ثمنا باتًّا بعد جزم الفريقين بأحد الشقوق، ولا يزيد هذا الثمن بعد تمام البيع ولا ينقص باختلاف أحوال المشتري في الأداء، فلو كان المشتري اشترى البضاعة بعشرة على أنه سيؤدي الثمن بعد شهر، ولكنه لم يتمكن من الأداء إلا بعد شهرين فإن الثمن يبقى عشرة كما هو، ولا يزيد بزيادة مدة الأداء الفعلي، وأما في الصورة الثانية فالثمن ثمانية، وما يزيد عليه فائدة تطالب من أجل التأخير في الأداء، فلا تزال تزيد الفائدة كلما يطول التأخير، فتصير ربيتين في شهر، وأربع ربيات في شهرين، وهكذا . . . فالصورة الأولى نوع من أنواع البيع الحلال، والصورة الثانية داخلة في الربا المحرم شرعا. (أحكام البيع بالتقسيط)

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی
29 محرم الحرام 1442ھ/ 18 ستمبر 2020

مقالہ نمبر 15:

نمازِ جنازہ میں سورتِ فاتحہ پڑھنے کا حکم

مبین الرحمٰن
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی

نمازِ جنازہ در حقیقت دعا ہے:

نمازِ جنازہ در حقیقت میت کے لیے دعا ہے، اور دعا کی زیادہ قبولیت کے پیشِ نظر پہلی تکبیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی جاتی ہے، دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھا جاتا ہے، جبکہ تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔ گویا کہ نمازِ جنازہ میں فقط تین چیزیں پڑھی جاتی ہیں: حمد وثنا، درود شریف اور دعائے مغفرت۔ اس حوالے سے چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

1۔ حضرت ابو سعید مقبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نمازِ جنازہ کس طرح ادا فرماتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں تکبیر کہتا ہوں، پھر اللہ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں، پھر حضور اقدس ﷺ پر درود بھیجتا ہوں، پھر میت کے لیے دعا کرتا ہوں۔

- موطأ امام مالک میں ہے:

٥٣٩- عَنْ مَالِكٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ كَيْفَ تُصَلِّي عَلَى الْجَنَازَةِ؟ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَنَا لَعَمْرُ اللهِ أُخْبِرُكَ: أَتَّبِعُهَا مِنْ أَهْلِهَا فَإِذَا وُضِعَتْ كَبَّرْتُ وَحَمِدْتُ اللهَ وَصَلَّيْتُ عَلَى نَبِيِّهِ ثُمَّ أَقُولُ: اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمَتِكَ كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ، وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ، اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِي إِحْسَانِهِ، وَإِنْ كَانَ مُسِيئًا فَتَجَاوَزْ عَنْ سَيِّئَاتِهِ، اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ، وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ.

2۔ حضرت مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب نمازِ جنازہ ادا فرماتے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے، پھر درود شریف پڑھتے پھر میت کے لیے دعا فرماتے۔

- مصنف ابن ابی شیبہ:

١١٤٩٤- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ إِذَا صَلَّى عَلَى مَيِّتٍ يَبْدَأُ بِحَمْدِ اللهِ وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِأَحْيَائِنَا وَأَمْوَاتِنَا، وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوبِنَا، وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا، وَاجْعَلْ قُلُوبَنَا عَلَى قُلُوبِ خِيَارِنَا.

3۔ امام شعبی تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد وثنا ہے، دوسری تکبیر کے

بعد درود شریف ہے، تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے دعا ہے، اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام ہے۔

- مصنف ابن ابی شیبہ:

١١٤٩٣- عَنْ أَشْعَثَ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: فِي التَّكْبِيرَةِ الأُولَى يُبْدَأُ بِحَمْدِ اللهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ، وَالثَّانِيَةُ صَلَاةٌ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، وَالثَّالِثَةُ دُعَاءٌ لِلْمَيِّتِ، وَالرَّابِعَةُ لِلتَّسْلِيمِ.

ان روایات سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

- پہلی بات یہ کہ نمازِ جنازہ حمد و ثنا، درود شریف اور دعا پر مشتمل ہے، رکوع اور سجدے والی عام نمازوں کی طرح اس میں قرآن کریم کی قرأت کا حکم نہیں، کیوں کہ یہ قرأت کا موقع و محل نہیں۔
- دوسری بات یہ کہ ان روایات میں قرآن کریم کی قرأت کا کوئی ذکر نہیں، جس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ نمازِ جنازہ میں قرآن کریم کی کسی بھی سورت کی قرأت نہیں۔

اس لیے احناف کے نزدیک نمازِ جنازہ میں قرأت کے طور پر سورتِ فاتحہ سمیت کسی بھی سورت کو پڑھنا درست نہیں، البتہ چوں کہ نمازِ جنازہ میں حمد و ثنا بھی ہے اور سورتِ فاتحہ بھی حمد و ثنا پر مشتمل ہے اس لیے اگر کوئی شخص پہلی تکبیر کے بعد سورتِ فاتحہ کو حمد و ثنا کی نیت سے پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور جن صحابہ کرام سے نمازِ جنازہ میں سورتِ فاتحہ پڑھنا ثابت ہے تو احناف کے نزدیک اس سے یہی مراد ہے۔

ذیل میں نمازِ جنازہ میں سورتِ فاتحہ کی قرأت نہ کرنے سے متعلق متعدد دلائل ذکر کیے جاتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ثبوت:

امام نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

- موطأ امام مالک میں ہے:

٥٤١- عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ.

- مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

١١٥٢٢- عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ.

امام محمد تابعی رحمہ اللہ سے ثبوت:

امام ایوب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام محمد تابعی رحمہ اللہ نمازِ جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

- مصنف ابن ابی شیبہ:

١١٥٢٣- عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ.

امام ابو العالیہ تابعی رحمہ اللہ سے ثبوت:

حضرت ابو المِنہال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو العالیہ رحمہ اللہ سے نمازِ جنازہ میں سورتِ فاتحہ کی قرأت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ سورتِ فاتحہ تو رکوع اور سجدے والے نماز ہی میں پڑھی جاتی ہے۔

- مصنف ابن ابی شیبہ:

١١٥٢٤- عَنْ عَوْفٍ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجِنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، فَقَالَ: مَا كُنْت أَحْسَبُ أَنَّ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ تُقْرَأُ إِلَّا فِي صَلَاةٍ فِيهَا رُكُوعٌ وَسُجُودٌ.

ذیل میں "مصنَّف ابن ابی شیبہ" سے مزید آٹھ تابعین کرام سے نمازِ جنازہ میں سورتِ فاتحہ کی قرأت نہ کرنے کا ثبوت ذکر کیا جاتا ہے:

امام فضالہ بن عبید تابعی رحمہ اللہ سے ثبوت:

١١٥٢٥- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مُوسَى بْنِ عُلَيٍّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قُلْتُ لِفَضَالَةَ بْنِ عُبَيْد هَلْ يُقْرَأُ عَلَى الْمَيِّتِ شَيْءٌ؟ قَالَ: لَا.

امام ابو بُردہ تابعی رحمہ اللہ سے ثبوت:

١١٥٢٦- حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ لَهُ رَجُلٌ أَقْرَأُ عَلَى الْجِنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ؟ قَالَ: لَا تَقْرَأْ.

امام عطا تابعی رحمہ اللہ سے ثبوت:

١١٥٢٧- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ حَجَّاجٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَطَاءً عَنِ الْقِرَاءَةِ عَلَى الْجِنَازَةِ، فَقَالَ: مَا سَمِعَنا بِهَذَا إِلَّا حَدِيثًا.

امام شعبی تابعی اور امام ابراہیم نخعی تابعی رحمہا اللہ سے ثبوت:

١١٥٢٨- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ إِيَاسٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، وَ: عَنْ أَبِي الْحُصِينِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَا: لَيْسَ فِي الْجِنَازَةِ قِرَاءَةٌ.

امام عطا تابعی اور امام طاوس تابعی رحمہا اللہ سے ثبوت:

١١٥٢٩- عَنِ ابْنِ طَاوُوس، عَنْ أَبِيهِ وَعَطَاءٍ أَنَّهُمَا كَانَا يُنْكِرَانِ الْقِرَاءَةَ عَلَى الْجِنَازَةِ.

امام بکر بن عبداللہ تابعی رحمہ اللہ سے ثبوت:

١١٥٣٠- عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ سُوَيْد، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: لَا أَعْلَمُ فِيهَا قِرَاءَةً.

امام سالم تابعی رحمہ اللہ سے ثبوت:

١١٥٣٢- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيرٍ قَالَ: حدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي سَارَةَ قَالَ: سَأَلْتُ سَالِمًا فَقُلْتُ: الْقِرَاءَةُ عَلَى الْجِنَازَةِ؟ فَقَالَ: لَا قِرَاءَةَ عَلَى الْجِنَازَةِ.

نمازِ جنازہ میں سورتِ فاتحہ کو لازم قرار دینے کی حقیقت:

ما قبل کی تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ احناف قرأت کی بجائے حمد و ثنا کے طور پر سورتِ فاتحہ کی اجازت دیتے ہیں، یہاں یہ بات بھی سمجھنی چاہیے کہ بعض لوگ نمازِ جنازہ میں سورتِ فاتحہ کو لازم قرار دیتے ہیں اور نہ پڑھنے والوں کو ملامت کرتے ہیں، واضح رہے کہ یہ نظریہ اور رویّہ متعدد وجوہات کی وجہ سے درست نہیں:

- پہلی بات یہ کہ اگر نمازِ جنازہ میں سورتِ فاتحہ کو حمد و ثنا کے طور پر پڑھنے کو لازم قرار دیا جائے تو یہ اس

لیے درست نہیں کہ ماقبل میں نمازِ جنازہ کی حقیقت سے متعلق جو روایات ذکر ہوئیں ان میں کہیں بھی حمد و ثنا کے طور پر سورتِ فاتحہ کے لازم ہونے کا ذکر نہیں۔

- دوسری بات یہ کہ اگر نمازِ جنازہ میں سورتِ فاتحہ کو قرأت کے طور پر پڑھنے کو لازم قرار دیا جائے تو اس کے درست نہ ہونے کی مدلل تفصیل ماقبل میں بیان ہو چکی۔
- تیسری بات یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں سورتِ فاتحہ کو لازم قرار دینے کی کوئی واضح دلیل بھی موجود نہیں، اس لیے سورتِ فاتحہ کو لازم سمجھنا بلا دلیل ہے۔
- چوتھی بات یہ کہ کئی حضرات صحابہ کرام نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ نمازِ جنازہ میں کوئی مخصوص الفاظ لازم قرار نہیں دیے گئے۔ ملاحظہ فرمائیں:

1۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں ہمارے ذمّے کوئی مخصوص قرأت اور الفاظ لازم قرار نہیں دیے گئے۔

- المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے:

٩٦٠٤- عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ أَوْ مَسْرُوقٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: لَمْ يُوَقَّتْ لَنَا عَلَى الْجَنَازَةِ قَوْلٌ وَلَا قِرَاءَةٌ، كَبِّرْ مَا كَبَّرَ الْإِمَامُ، أَكْثِرْ مِنْ أَطْيَبِ الْكَلَامِ.

2۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے نمازِ جنازہ میں ہمارے ذمّے مخصوص الفاظ کو پڑھنا لازم قرار نہیں دیا۔

- مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

١١٤٨٥- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: مَا بَاحَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَلَا أَبُو بَكْرٍ وَلَا عُمَرُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ بِشَيْءٍ.

3۔ حضرت شعیب رحمہ اللہ اپنے دادا سے روایت فرماتے ہیں انھوں نے تیس صحابہ کرام سے روایت کی ہے کہ نمازِ جنازہ میں کوئی مخصوص الفاظ پڑھنا لازم نہیں ہے۔

• مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

١١٤٨٦- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ ثَلَاثِينَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُمْ لَمْ يَقُومُوا عَلَى شَيْءٍ فِي أَمْرِ الصَّلَاةِ عَلَى الْجِنَازَةِ.

ان روایات کا مطلب یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں اللہ کی حمد وثنا، درود شریف اور میت کے لیے دعا سے متعلق مخصوص الفاظ واجب اور لازم نہیں کہ جن کی پاسداری ایسی ضروری ہو کہ ان کے بغیر نمازِ جنازہ ہی ادا نہ ہو، بلکہ ان امور کی ادائیگی کے لیے کوئی بھی مناسب عربی الفاظ استعمال کیے جاسکتے ہیں البتہ جو الفاظ احادیث سے ثابت ہوں ان کی رعایت مسنون، بہتر اور اہم ہے۔

یہ روایات اور دلائل یقیناً ان لوگوں کی تردید کے لیے کافی ہیں جو نمازِ جنازہ میں سورتِ فاتحہ کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ جبکہ احناف کا مذہب بے غبار اور روایات سے ثابت ہے۔

فقہی عبارات

• فیض الباری للامام الکشمیری رحمہ اللہ:

باب قِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلَى الْجَنَازَةِ: وهي جائزة عندنا أيضًا كما في «التجريد» للقدُوري، وصرح يحي بن منقاري زاده أستاذ الشُّرُنْبلالي في رسالته: «الاتباع في مسألة الاستماع» بالاستحباب، إلا أنها تكونُ كالثناء عندنا لا كالقراءة. واستحبَّها أحمدُ رحمه الله. وقال الشافعية: أَنْ لا صلاةَ إلا بفاتحةِ الكتاب. ولا ريبَ في أَنَّ أكثرَ عملهِ ﷺ كان على التَّرْك. وصرَّح ابنُ تيميةَ رحمه الله أن جُمهورَ السَّلف كانوا يكتفون بالدعاء ولا يقرؤون الفاتحةَ، نعم، ثبت عن بعضهم. ثم هي عند الشافعية بعدَ التكبيرةِ الأُولى ففات عنهم الاستفتاح. فقلت لهم: أن اقرؤوا بها أربعَ مرات؛ لأن كلَّ تكبيرة في صلاةِ الجنازة تقوم مقامَ ركعةٍ، فأَوْلى لكم أن تقرؤا بها أربع مرّات، فإنَّه لا صلاةَ لمن يقرأُ بها.

• فتح الباری:

وَيُؤَيِّدُ الْجَمْعَ الْأَوَّلَ مَا أَخْرَجَهُ عُمَرُ بْنُ شَبَّةَ فِي «كِتَابِ مَكَّةَ» مِنْ طَرِيقِ حَمَّادٍ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَن ابن عَبَّاسٍ، قَالَ: قُلْتُ لَهُ: كَيْفَ أُصَلِّي فِي الْكَعْبَةِ؟ قَالَ: كَمَا تُصَلِّي فِي الْجِنَازَةِ تُسَبِّحُ وَتُكَبِّرُ وَلَا تَرْكَعُ وَلَا تَسْجُدُ، ثُمَّ عِنْدَ أَرْكَانِ الْبَيْتِ سَبِّحْ وَكَبِّرْ وَتَضَرَّعْ وَاسْتَغْفِرْ، وَلَا تَرْكَعْ وَلَا تَسْجُدْ. وَسَنَدُهُ صَحِيحٌ. (بَابُ مَنْ كَبَّرَ فِي نَوَاحِي الْكَعْبَةِ)

• فتاویٰ ہندیہ:

وَلَا يَقْرَأُ فيها الْقُرْآنَ، وَلَوْ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ بِنِيَّةِ الدُّعَاءِ فَلَا بَأْسَ بِهِ، وَإِنْ قَرَأَهَا بِنِيَّةِ الْقِرَاءَةِ لَا يَجُوزُ؛ لِأَنَّهَا مَحَلُّ الدُّعَاءِ دُونَ الْقِرَاءَةِ، كَذَا فِي «مُحِيطِ السَّرَخْسِيِّ».

(الْفَصْلُ الْخَامِسُ فِي الصَّلَاةِ على الْمَيِّتِ)

• الدر المختار:

(وَلَا قِرَاءَةَ وَلَا تَشَهُّدَ فِيهَا) وَعَيَّنَ الشَّافِعِيُّ الْفَاتِحَةَ فِي الْأُولَى. وَعِنْدَنَا: تَجُوزُ بِنِيَّةِ الدُّعَاءِ، وَتُكْرَهُ بِنِيَّةِ الْقِرَاءَةِ؛ لِعَدَمِ ثُبُوتِهَا فِيهَا عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ.

• ردالمحتار:

(قَوْلُهُ: وَعَيَّنَ الشَّافِعِيُّ الْفَاتِحَةَ) وَبِهِ قَالَ أَحْمَدُ؛ لِأَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ صَلَّى عَلَى جِنَازَةٍ فَجَهَرَ بِالْفَاتِحَةِ، وَقَالَ: عَمْدًا فَعَلْت؛ لِيُعْلَمَ أَنَّهَا سُنَّةٌ. وَمَذْهَبُنَا قَوْلُ عُمَرَ وَابْنِهِ وَعَلِيٍّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَبِهِ قَالَ مَالِكٌ كَمَا فِي «شَرْحِ الْمُنْيَةِ». (قَوْلُهُ: بِنِيَّةِ الدُّعَاءِ) وَالظَّاهِرُ أَنَّهَا حِينَئِذٍ تَقُومُ مَقَامَ الثَّنَاءِ عَلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ مِنْ أَنَّهُ يُسَنُّ بَعْدَ الْأُولَى التَّحْمِيدُ. (قَوْلُهُ: وَتُكْرَهُ بِنِيَّةِ الْقِرَاءَةِ) فِي «الْبَحْرِ» عَن «التَّجْنِيسِ» وَ«الْمُحِيطِ»: لَا يَجُوزُ؛ لِأَنَّهَا مَحَلُّ الدُّعَاءِ دُونَ الْقِرَاءَةِ اه وَمِثْلُهُ فِي «الْوَلْوَالِجِيَّةِ» و«التتارخانية». وَظَاهِرُهُ أَنَّ الْكَرَاهَةَ تَحْرِيمِيَّةٌ. وَقَوْلُ «الْقُنْيَةِ»: «لَوْ قَرَأَ فِيهَا الْفَاتِحَةَ جَازَ» أَيْ لَوْ قَرَأَهَا بِنِيَّةِ الدُّعَاءِ لِيُوَافِقَ مَا ذَكَرَهُ غَيْرُهُ، أَوْ أَرَادَ بِالْجَوَازِ الصِّحَّةَ، عَلَى أَنَّ كَلَامَ «الْقُنْيَةِ» لَا يُعْمَلُ بِهِ إِذَا عَارَضَهُ غَيْرُهُ، فَقَوْلُ الشُّرُنْبُلَالِيِّ فِي رِسَالَتِهِ: «إِنَّهُ نَصَّ عَلَى جَوَازِ قِرَاءَتِهَا» فِيهِ نَظَرٌ ظَاهِرٌ؛ لِمَا عَلِمْته، وَقَوْلُهُ: وَقَوْلُ مُنْلَا عَلَى الْقَارِئِ أَيْضًا: «يُسْتَحَبُّ قِرَاءَتُهَا بِنِيَّةِ الدُّعَاءِ خُرُوجًا مِن

خِلَافِ الْإِمَامِ الشَّافِعِيِّ» فِيهِ نَظَرٌ أَيْضًا؛ لِأَنَّهَا لَا تَصِحُّ عِنْدَهُ إِلَّا بِنِيَّةِ الْقُرْآنِ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَقْرَأَهَا بِنِيَّةِ الْقِرَاءَةِ، وَيَرْتَكِبَ مَكْرُوهَ مَذْهَبِهِ لِيُرَاعِيَ مَذْهَبَ غَيْرِهِ كَمَا مَرَّ تَقْرِيرُهُ أَوَّلَ الْكِتَابِ. (باب صلاة الجنائز)

مبین الرحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

محلہ بلال مسجد نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

18 جمادی الاولیٰ 1441ھ/14 جنوری 2020